لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

روحِ عمل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کاملہ میں نفس عمل مطلوب نہیں بلکہ وہ عمل مطلوب ہے جس کی غرض وغایت صحیح ہو، عمل قالب ہے تو صحیح غرض وغایت اس کی روح، روح نہیں تو بے جان قالب کس کام آسکتا ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ
(سیرۃ النبی جلد ششم)

۲۵ فروری ۲۰۰۶ء

Rs.7/-

Postal Regd.No.IW/NP/63/2006to2008
R.N.I. No.UP. Urd/2001/6071
10 February. 2006
Vol. No.5 Issue No. 03

Fortnightly
Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Mobile: 09415786584
Mohd. Akram Jewellers
Phone: Shop. 0522-2274606
(R) 0522-2616731
محمد اکرم جویلرس

شناء جویلرس
SANA JEWELLERS
Riyaz Ahmad
Ghyas Ahmad
۱۲/۳۰۱ سرائے بانس، اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ ۳
301/12, Sarai Bans
Akbari Gate, Chowk, Lucknow-3

جدید دلکش سونے، چاندی کے زیورات کیلئے ہمارے شوروم
گہنہ پیلیس
میں آپ کا خیر مقدم ہے
Gehna Palace
Whenever you see Jewlellary
Think of us
حاجی عبدالرؤف خاں، حاجی محمد فہیم، محمد فاروق خاں (چاند)
Ph:2260433
[illegible] مسجد کے سامنے اکبری گیٹ، چوک، لکھنؤ

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ
خوشبودار عطریات
روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر، فلور پرفیوم، روح گلاب، روح کیوڑہ، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ
کی ایک قابل اعتماد دوکان
ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں
تیار کردہ
اظہارسن پرفیومرس
اکبری گیٹ، چوک لکھنؤ
برانچ: C-5، جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج لکھنؤ
IZHARSON PERFUMERS
H.O. : Akbari Gate, Chowk, Lucknow.
Tel.: 0522-2255257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell. : +91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

Res: 2226177
Akbari Gate
2268845
سونے چاندی کی دنیا میں ۷۵ سالہ دیرینہ نام
حاجی صفی اللہ جویلرس
ہمارا نیا شوروم
گڑبڑ جھالہ کے سامنے امین آباد لکھنؤ
پروپرائٹر [illegible] اسلم
HAJI SAFIULLAH JEWELLERS
Opp: Gadbad Jhala Aminabad, Lucknow-18

Editer: *Shamsul Haq Nadwi* Office. Ph: 2741235 Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph:0522-2614685
DESIGNED BY HAMID L.ko. Mob: 9415769282

”مَا عِنْدَ كُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ“

دنیا و آخرت کی ہر چیز میں بڑا فرق ہے لیکن سب سے بڑا فرق وہ ہے جو قرآن مجید کی اس آیت میں بیان کیا گیا ہے، یعنی کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے جس کی نسبت تم سے ہے وہ سب کا سب ختم ہونے والا ہے، اور جو کچھ ہمارے پاس ہے اور جس کی نسبت ہم سے ہے وہ ہمیشہ باقی رہے گا۔ ”ماعند کم ینفد“ کی مہر جس پر لگ جائے ناکامی ونامرادی اس کا خاصہ بن جاتی ہے اور ”عند اللہ باق“ کی تصدیق اگر کسی کے محضر اعمال پر لگ جائے تو اس کی کامیابی وسعادت کا کیا پوچھنا۔ دنیا کی عظیم الشان تہذیبوں، پرشکوہ سلطنتوں، علمی ترقیات وکمالات اور مادی فتوحات وعجائبات کو رد کردینے کے لئے ”ماعند کم“ کی ایک مہر بالکل کافی ہے دوسری طرف محض اللہ کے لئے کوئی ادنی درجہ کی خدمت وعبادت ”ماعند اللہ باق“ کا مژدۂ جانفزا سنا سکتی ہے۔ اخلاص کے ساتھ ایک کلمہ لا الہ کہہ دینا، راستہ سے کانٹا ہٹا دینا، اپنے بھائی کے ساتھ خوش اخلاقی کے ساتھ پیش آنا ساری خدمات اور فتوحات اور علمی وظاہری کمالات پر بھاری ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے ساتھ ”ماعند اللہ باق“ کا ایسا پاسنگ ہے جو ہر چیز کا پلڑا جھکانے کے لئے کافی ہے۔ اگر ہم غور کریں تو نظر آئے گا کہ محاسبۂ نفس اور رہنمائی کے لئے یہی آیت ہمیں کام دے سکتی ہے۔ اگر ہم ہر عمل کے وقت صرف اتنا استحضار کرلیا کریں کہ یہ عمل ”ماعند کم“ والا ہے ”ماعند اللہ“ والا ہے تو ہمیں نہ صرف اپنے عیوب بخوبی نظر آجائیں گے بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے راہ بھی کھلے گی اور آسان ہوگی، اگر یہ یقین درست ہو تو ہمیں نہ کسی چیز کے چھوٹنے کا زیادہ غم ہوگا نہ کوئی عہدہ جاہ ومنصب ہمیں جادۂ استقامت سے ہٹا سکے گا۔

مولانا محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعمیر حیات لکھنؤ

پندرہ روزہ — اشاعت کا ۴۳واں سال

جلد نمبر-۴۳ | ۲۵ر فروری ۲۰۰۶ء مطابق ۲۶ر محرم الحرام ۱۴۲۷ھ | شمارہ نمبر-۸

زیر سرپرستی:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

پروفیسر وصی احمد صدیقی

(معتمد مال، ندوۃ العلماء)

زیر نگرانی

مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی (ناظر عام ندوۃ العلماء)

مجلس ادارت

مدیر عام: شمس الحق ندوی | مدیر مسؤل: نذر الحفیظ ندوی

نائب مدیر: محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت

☆عبد اللہ حسنی ندوی ☆محمد خالد ندوی غازی پوری

☆امین الدین شجاع الدین

زر تعاون

سالانہ-/۱۵۰ — فی شمارہ-/۷

ایشیائی، یورپی، افریقی وامریکی ممالک-/۳۵ ڈالر

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات لکھنؤ کے نام سے بنائیں

ترسیل زر اور خط وکتابت کا پتہ

Tameer-e-Hayaat

Post Box No.93, Tagore Marg, Badshah Bagh Lucknow-226007

فون (دفتر) (0522) 2741235(Ext) 18

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

ڈرافٹ منیجر تعمیر حیات کے نام بنائیں اور دفتر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ کے پتے پر روانہ کریں، چیک سے بھیجی جانے والی رقم قابل قبول نہ ہوگی۔ اس میں ادارہ کا نقصان ہوتا ہے۔ براہ کرم اس کا خیال رکھیں۔

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت ونشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

H.I.Computer Institute, Lko. 9335214913

اس شمارے میں

شعر وادب		
وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا	خواجہ الطاف حسین حالیؒ	۲
نعت رسول ﷺ	انیس احمد انیس پرخاصوی	۴
اداریہ		
صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳
محسن انسانیت		
انسانیت کے محسن اعظم ﷺ	حضرت مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ	۵
حدیث دل		
انسانی زندگی کی تشکیل میں کتاب وسنت کا کردار	مولانا عبد اللہ حسنی ندوی	۹
ہجرت مصطفی		
ہجرت نبوی کا پیغام امت مسلمہ کے نام	شمس الحق ندوی	۱۲
ردّعمل		
اظہار رائے کی یکطرفہ آزادی	نذر الحفیظ ندوی	۱۳
تضاد		
مغرب کا دوہرا معیار	پرواز رحمانی	۱۷
تاریخ وسیرت		
حضرت عمرؓ کی جرأت ایمانی	ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی	۱۸
تعارف وتبصرہ		
”مولانا سید ابو الحسن علی ندوی۔ عہد ساز شخصیت“	حضرت مولانا ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندویؒ	۱۹
قرآن اور سائنس		
قرآنی آیت جس نے کوسٹو کو صحیح راہ دکھائی	ڈاکٹر نور باقی	۲۲
عالم اسلام		
سپر پاور کو صفر پاور بنانے میں بش کا......	ابو المعظم ندوی	۲۳
خبر ونظر		
عالم اسلام کی خبریں	محمد وثیق ندوی	۲۵
حماس		
فلسطین میں حماس کی تاریخی کامیابی	سلمان نسیم ندوی	۲۶
گوشۂ خواتین		
خواتین کا طریقۂ نماز	مفتی عبد الرؤف سکھروی	۲۹
رپورٹ		
ہندوپاک میں اہانت رسول ﷺ پر ردّعمل	محمد جاوید اختر ندوی	۳۱
روداد		
دار العلوم ندوۃ العلماء میں تقریب رسم اجراء کتب	// //	۳۲

آپ کے پتہ کے کنارے خریداری نمبر کے نیچے لال یا کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زر تعاون ختم ہو چکا ہے۔ لہذا جلدی زر تعاون ارسال کریں اور منی آرڈر کوپن پر اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں۔ منیجر تعمیر حیات

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا

از:..خواجہ الطاف حسین حالیؔ

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا — مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنیوالا — وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

خطا کار سے در گزر کرنے والا — بد اندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر و زبر کرنے والا — قبائل کو شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حراء سے سوئے قوم آیا
اور اک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا

مس خام کو جس نے کندن بنایا — کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا
عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا — پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
ادھر سے ادھر پھر گیا رخ ہوا کا

پڑی کان میں دھات تھی اک نکمی — نہ کچھ قدر تھی اور نہ قیمت تھی جس کی
طبیعت میں جو اس کے جوہر تھے اصلی — ہوئے سب تھے مٹی میں مل کر وہ مٹی
یہ تھا ثبت علم قضا و قدر میں
کہ بن جائے گی وہ طلا اک نظر میں

وہ فخر عرب زیب محراب و منبر — تمام اہل مکہ کو ہمراہ لے کر
گیا ایک دن حسب فرمان داور — سوئے دشت اور چڑھ کے کوہ صفا پر
یہ فرمایا سب سے کہ اے آل غالب
سمجھتے ہو تم مجھ کو صادق کہ کا ذب؟

کہاں سب نے قول آج تک کوئی تیرا — کبھی ہم نے جھوٹا سنا اور نہ دیکھا
کہا گر سمجھتے ہو تم مجھ کو ایسا — تو باور کرو گے اگر میں کہوں گا
کہ فوج گراں پشت کوہ صفا پر
پڑی ہے کہ لوٹے تمہیں گھات پاکر

کہا تیری ہر بات کا یاں یقیں ہے — کہ بچپن سے صادق ہی تو اور امیں ہے
کہا گر مری بات یہ دل نشیں ہے — تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے
کہ سب قافلہ یاں سے ہے جانے والا
ڈرو اس سے جو وقت ہے آنے والا

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی — عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی — اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغام حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نام حق سے

صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک

(حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)

عزت اور بے عزتی کا مسئلہ انسانوں کیلئے غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے۔ بعض وقت کوئی اہانت آمیز رویہ یا تحقیر رکھنے والا کوئی جملہ دو فریقوں کے درمیان جنگ چھڑ جانے کا باعث ہوتا ہے اور اگر دو شخصوں کے درمیان ہوتا ہے تو اہانت محسوس کرنے والا لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے اور یہ بات کوئی کم پیش آنے والی بات نہیں بلکہ تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ انسانوں کی متعدد جنگیں ایسے کسی اہانت آمیز رویہ یا تحقیری جملہ کے نتیجہ میں پیش آئی ہیں۔ اس کی متعدد مثالیں دی جا سکتی ہیں اور قارئین کے ذہن میں بھی ایسی مثالیں ہونگی، کوئی شخص کسی کے سامنے اس کے باپ کا تحقیری انداز میں ذکر یا تمسخر کے انداز میں اس کا حلیہ دکھائے یا بتائے تو سوائے اس کے کہ وہ سننے والا بالکل بے وقوف بے شعور یا ذلیل طبیعت شخص ہو ورنہ وہ برداشت نہیں کر سکتا اور انتقام لئے بغیر نہیں چھوڑ سکتا۔ ابھی گذشتہ چند دنوں میں یوروپ وامریکہ کے صحافیوں، دانشوروں وقائدین میں سے متعدد افراد نے مسلمانوں کے مقدس حضرات کے سلسلے میں اہانت آمیز رویہ اختیار کرنے پر بجائے مذمت کے متکبرانہ رویہ اختیار کیا اور جب اہانت کرنے والوں کی بدتمیزی پر مسلمانوں نے اپنی ناگواری کا اظہار کیا تو الٹا اس ناگواری کو بُرا قرار دیا، اور تاریخ کی تعظیم اور مقدس شخصیتوں کی تحقیر کے رویہ کو صحیح قرار دیا۔ یوروپ کے یہ دانشور وقائدین اپنے علاوہ غیروں کو اپنے مقابلہ میں کم تر سمجھنے کا رویہ آج سے نہیں بلکہ دو صدی قبل سے اختیار کئے ہوئے ہیں وہ سفید فام قوموں کے علاوہ قوموں کو کمتر سطح کی مخلوق سمجھتے ہیں اور جس سے ان کو اختلاف ہوتا ہے اس کی صرف تحقیر ہی نہیں بلکہ اس کی باتوں کو بگاڑ کر پیش کرنے کا طریقہ اختیار کرتے ہیں۔ یوروپ وامریکہ کے مستشرقین نے اپنی تصنیفات وتحقیقات میں کثرت سے یہ رویہ اختیار کیا اور ان کے حکومتی افراد نے مشرقی قوموں کے ساتھ دباؤ اور تحقیر کا رویہ مسلسل رکھا اور یہ مشرقی اقوام کئی صدی سے ایسی کمزور رہی ہیں کہ ذلت کو برداشت کرنے پر مجبور ہوتی رہیں۔ لیکن کوئی کتنا ہی طاقتور ہو زیادہ لمبی مدت تک اپنے جور وظلم پر قائم نہیں رہ سکتا۔ حالات بدلتے ہیں اور نیچے والا اوپر پہونچ جاتا ہے اور اوپر والا نیچے۔ چنانچہ یوروپ کی استعماری طاقتوں کو بالآخر اپنے ماتحت مشرقی ملکوں کو چھوڑنا پڑا اور اپنے ہی ملکوں تک محدود ہو جانا پڑا اس طریقے سے سابقہ سخت حالات تو بدل گئے لیکن ان سامراجی طاقتوں کے مزاج میں تبدیلی نہیں آئی۔ اب وہ بین الاقوامی سیاست اور بین الاقوامی اقتصادیات کے ذریعہ مشرقی قوموں پر اپنی برتری قائم رکھنے کے لئے کوشاں رہتے ہیں اور اس کیلئے ان کو اپنی عسکری بالادستی سے مدد ملتی ہے۔

جہاں تک مسلمانوں کا مسئلہ ہے تو وہ اِن حالات سے گذشتہ مدت میں تکلیف اٹھاتے رہے ہیں اور اب بھی ان سے ان کو وقتاً فوقتاً سابقہ پڑتا رہتا ہے جس کی تکلیف اور اس کا درد ان کے دلوں میں بجا طریقہ سے پیدا ہوتا ہے اور اسی طرح کے رویہ سے ساری مسلم قوموں میں جن کو مغربی ملکوں کی زیادتی سے واسطہ پڑتا رہتا ہے بے قراری اور ناگواری بڑھتی جارہی ہے اور اس کے نتیجہ میں ان کو وقتاً فوقتاً بڑی قربانی دینی پڑی ہے لیکن اب مسلمانوں کی ایک خاصی تعداد اُن مغربی ملکوں میں پہونچ کر وہاں کے شہری بھی بن چکی ہے اور علمی اور ثقافتی لحاظ سے ان کو ان کی ہمسری حاصل ہوگئی ہے اور ان کو جب ایسے تحقیری معاملات میں کوئی واسطہ پڑتا ہے تو ان میں ان سے نفرت کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ ایذا رساں کارٹونوں کے ذریعہ سے جو رویہ ڈنمارک سے شروع ہو کر کئی یورپی ملکوں میں پھیلا اور اس پر جو ضد مغربی ممالک کے متعدد رہنماؤں بلکہ ان سب کے سربراہ امریکہ کی طرف سے ظاہر ہوئی تو سب انصاف پسندوں کی طرف سے اس پر حیرت واستعجاب ظاہر ہوا اور ان کے اس رویہ پر عالمی سطح پر ناپسندیدگی وناگواری ظاہر کی گئی اور کی جارہی ہے۔ ان کارٹونوں کا سب سے زیادہ بدتمیزی کا پہلو یہ ہے کہ مسلمانوں کے سرتاج جن پر مسلمان اپنی جانیں فدا کرتے ہیں۔ حضور رسول مقبول اور ہم سب کے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا تحقیری کارٹون بنایا گیا جو کہ نہ صرف یہ کہ ذلیل حرکت ہے بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فدائیوں سے ایک اعلان جنگ ہے۔ چنانچہ اسلامی ملکوں میں جو سخت احتجاج کے واقعات پیش آرہے ہیں وہ اس ذلیل حرکت کا ردعمل ہیں اگر یوروپ کے یہ دانشور اور قائدین اپنے خراب رویہ کی خطرناکی کو نہیں محسوس کرتے تو حالات بہرحال ان کو اس کے سمجھنے پر مجبور کردیں گے لیکن اس وقت تک ان کو خاصا نقصان اٹھانا پڑے گا اور ان کے خلاف عالمی سطح پر جو نفرت پھیل جائے گی وہ بھی ان کے لئے تازیانہ عبرت ہوگی اس لئے کہ مسلمان اس دنیا میں اب کم نہیں ہیں۔ دنیا کی ۵/۱ آبادی

میں اور سارے ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے مقتدا اور آقا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اہانت کو برداشت کرنا تو بہت دور کی بات ہے وہ اپنی اور امت مسلمہ کے معاملہ میں بھی تحقیری رویہ برداشت نہیں کر سکتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معاملہ تو یہ ہے کہ صاف صاف کہہ دیا گیا ہے کہ مسلمان کا ایمان اس کے بغیر مکمل نہیں کہ اس کو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اپنی ذات کے مقابلہ میں بھی اور اپنے ماں باپ اور اپنے اہل وعیال کے بھی مقابلہ میں بھی زیادہ ہو اور صحابہ کرام کا حال تو یہ تھا کہ ان کے کہنے والے نے یہ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیر میں کانٹا چبھ جائے اور اس کے بدلے میں ہماری جان بچ جائے تو ہمیں اپنی جان بچانا قبول نہیں اور ان کے ایک شاعر نے کہا کہ میرے باپ، میرے دادا اور خود میری عزت وآبرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت پر قربان ہے۔ یہ ہے وہ احساس جو مسلمان کے لئے ضروری ہے۔

ہم مسلمانوں کو اسی کی تعلیم دی گئی ہے۔ لہٰذا یہ توقع کرنا کہ مسلمان اس کو برداشت کرلیں گے بہت ہی غلط فہمی کی بات ہے۔ اظہار رائے کی آزادی کے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ آپ جس کو چاہیں گالی دیں اور بے عزت کردیں اور جس کو چاہیں اپنے الفاظ یا نوک قلم سے زخمی کردیں اور اس کی مذمت ہو تو اس کو لائق اعتنا نہ سمجھیں۔ مغربی دنیا کی احساس برتری جب ظلم کی حد تک پہونچ جائے اور غیر شریفانہ انداز کو صحیح سمجھنے لگے تو یہ بات اس کی بدقسمتی کا باعث سمجھی جانا چاہئے اور اس سے خود مغربی دنیا کو جو نقصان پہونچ سکتا ہے اس کو سمجھنا چاہئے۔ اس وقت مغربی قائدین کے رویہ سے ناگواری اور نفرت آگ کی طرح پھیلتی جارہی ہے مغربی دنیا کو عقل استعمال کرنی چاہئے اور وہ جائز طریقہ استعمال کرنا چاہئے جس سے یہ آگ بجھ سکے۔ ع

صاحب نظراں! نشۂ قوت ہے خطرناک

شعروادب

نعت

از: ......انیس احمد انیسؔ پُرخاصوی (الہ آبادی)

الفت دریا کشتی یہ دل نام محمد ﷺ زینتِ ساحل
اس کو ملے کیوں جامِ کوثر جو بھی رہا ہو آپ ﷺ سے غافل
آپ ﷺ کی آمد میں وہ طاقت جاء الحق و زھق الباطل
اُسوۂ حسنہ پیش نظر ہو جادہ جادہ منزل منزل
قلب کی قوت عشقِ محمد ﷺ کفر نہ ٹھہرا مدِّ مقابل
جاری رہے یہ تیرا تڑپنا ان کی نظر ہے جانبِ بسملِ
دل کی دھڑکن آنکھ میں آنسو عشق کا نغمہ فخرِ عنادل
ضعف نے مجھ کو گھیر لیا ہے ہو گیا ہوں اب رحم کے قابل
جب سے انیسؔ نے دیکھا خضرا رقص میں ہر دم آنکھ کا ہے تِل

مجھ سے غزل نہ پڑھواؤ میں نعتیں پڑھتا جاتا ہوں
دونوں جہاں کی خیر و برکت حاصل کرتا جاتا ہوں
جس کی شان ہے اعلیٰ ارفع اس کا ہوں مداح انیسؔ
بے مقصد لفظوں کو ہٹا کر موتی چنتا جاتا ہوں
سیرت کی تقریر کو سن کر اکثر ایسا ہوتا ہے
گھر میں آکر قلم اٹھا کر نعتیں لکھتا جاتا ہوں
کون ہے اپنا کون پرایا اس پر دھیان نہیں دیتا
سنتِ نبویؐ سامنے رکھ کر سب سے ملتا جاتا ہوں
دیکھ رہا ہوں گنبد خضرا اپنی آنکھوں سے لیکن
پلکوں پر آنسو کو سجا کر آنکھیں ملتا جاتا ہوں
دل اتنا ہی لپک رہا ہے گنبد خضرا کی جانب
بھیڑ کے دھکے سے میں جتنا پیچھے ہٹتا جاتا ہوں
اپنے دل کی باتیں کہہ کر روضۂ اقدس پر اے انیسؔ
امیدوں کے لعل و گہر سے دامن بھرتا جاتا ہوں

محسن انسانیت

انسانیت کے محسن اعظم ﷺ اور شریف ومتمدّن دنیا کا اخلاقی فرض

پہلی قسط

از: ......حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

یہ مضمون اس انگریزی مقالہ کا اصل اردو متن ہے جو ۲۲ر اگست ۱۹۸۹ء کو اسلامک اسٹڈیز سنٹر آکسفورڈ یونیورسٹی انگلینڈ میں پڑھا گیا، اور ۲۶ر اگست کو لندن کے بین الاقوامی اسلامک سنٹر پارک روڈ میں مختلف ملکوں اور زبانوں سے تعلق رکھنے والے ایک عظیم مجمع کے سامنے عربی، اردو تقریروں اور تشریح و ترجمانی کے ساتھ پیش کیا گیا۔ افادۂ عام کے لئے نذر قارئین ہے۔

حضرات: یہ دنیا جس میں ہم آپ رہ بس رہے ہیں اور آزادی کے ساتھ اپنے عقیدہ، ذوق، صلاحیت اور وسائل و امکانات کے ساتھ اپنے فرائض منصبی ادا کر رہے ہیں، اور اپنے ہم وطنوں (اور اس سے آگے بڑھ کر) اپنے ہمعصروں کے ساتھ مہذب اور شریفانہ اور پرسکون اور خوشگوار زندگی گذار رہے ہیں، اسی کے ساتھ تعلیمی وتدریسی، تصنیفی وتحقیقی، تجرباتی واکتشافاتی میدان میں بھی اپنے اپنے درجہ اور حوصلہ کے مطابق حصہ لیتے ہیں، اور اس زندگی اور اس کے ماحول کو اس سے بہتر، اس سے زیادہ محفوظ و پرامن، اس سے زیادہ خوشگوار وپرسکون، اور اس سے زیادہ ترقی یافتہ و معیاری بنانے کی امنگ اور خواہش رکھتے ہیں، یہ دنیا اور یہ کرۂ ارض جس پر ہم رہتے بستے ہیں، ہمیشہ سے ایسا معتدل، پرسکون، سنجیدہ وباوقار، متحمل وروادار، فکری وتعمیری خدمات انجام دینے، اپنے اپنے عقیدہ و مسلک کے مطابق زندگی گذارنے، ایک دوسرے کا احترام و اعتراف کرنے اور بقائے باہم co-existence کیلئے ہمیشہ تیار نہیں تھا۔

اس زمین پر بسنے والی نسل انسانی کئی بار خودکشی اور خودسوزی کیلئے تیار اور کمربستہ پائی گئی، اس دنیا کی تاریخ میں کئی دور ایسے گذرے ہیں کہ اس نسل انسانی نے زندہ اور باقی رہنے کا استحقاق کھودیا، اور اس نے باشعور اور باضمیر انسانوں کے بجائے غیر ذی عقل جانوروں اور خونخوار وآدم خور درندوں کی شکل اختیار کرلی، تہذیب وتمدن، علم وہنر، اخلاق واقدار، نظام وقانون، اصول وضوابط، سب پر ایک احتضار (عالم سکرات) کی کیفیت طاری ہوگئی۔

سب جانتے ہیں کہ تاریخ کی تدوین کا کام بہت دیر سے شروع ہوا، اور "ماقبل تاریخ" کا دور "مابعد تاریخ" کے دور سے کہیں زیادہ طویل اور وسیع گذرا ہے، پھر زوالِ آدمیت اور دور وحشیت کی داستان کچھ ایسی خوشگوار اور قابل فخر بھی نہیں تھی کہ اس کو پیش کرنے میں مصنفین ومورخین اپنی صلاحیتیں صرف کریں، اس لئے ہمیں بڑے بڑے طویل وقفوں کے بعد انسانی معاشرہ، تہذیب وتمدن، اور حکومتوں اور نظام ہائے مملکت کے زوال کے بارے میں تاریخی شہادتیں تاریخ عالم کے صفحات پر بکھری ہوئی ملتی ہیں، اور ان کا سلسلہ زیادہ تر پانچویں صدی عیسوی سے شروع ہوتا ہے ان میں سے چند یہاں درج کی جاتی ہیں۔

مشہور انگریز مصنف H.G.Wells ساسانی اور بازنطینی حکومتوں کے ذکر میں اس عہد کی تصویر کھینچتے ہوئے لکھتا ہے:

"سائنس اور سیاست دونوں، ان برسرپیکار اور زوال پذیر حکومتوں میں موت کی نیند سو چکے تھے، ایتھنس Athens کے متاخرین فلسفیوں نے اپنی تباہی تک (جو اس پر مسلط کردی گئی تھی) عہد قدیم کے ادبی سرمایہ کو اگرچہ بغیر سوچے سمجھے مگر بے انتہا عقیدت کے ساتھ محفوظ رکھا تھا، لیکن اب دنیا میں انسانوں کا کوئی طبقہ ایسا باقی نہیں رہا تھا جو عہد قدیم کے شرفاء کی طرح جری اور آزاد خیالی کا حامی ہوتا، اور قدماء کی تحریروں کی طرح تلاش وتحقیق یا جرأت مندانہ اظہار خیال کا داعی ہوتا۔

اس طبقہ کے ختم ہونے کی خاص وجہ سیاسی وسماجی افراتفری تھی، لیکن ایک وجہ اور بھی تھی جس کے باعث اس عہد میں ذہن انسانی کند اور بنجر ہو چکا تھا، ایران اور بازنطینہ دونوں ملکوں میں عدم رواداری کا دور دورہ تھا، دونوں حکومتیں ایک نئے انداز کی مذہبی حکومتیں تھیں جس میں آزادانہ اظہار خیال پر کڑے پہرے بٹھادئے گئے تھے۔"[1]

بازنطینی شہنشاہی پر ایرانی شہنشاہی کے حملے اور بازنطینیوں کی فتح کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کرنے کے بعد چھٹی صدی عیسوی میں سماجی واخلاقی پستی پر روشنی ڈالتے ہوئے مصنف لکھتا ہے:

"اگر کوئی سیاسی پیش گو ساتویں صدی کے آغاز میں دنیا کا جائزہ لیتا تو اس نتیجہ پر پہونچتا کہ صرف چند صدیوں کی بات ہے کہ پورا یورپ اور ایشیا منگولوں کے زیر اقتدار آجائے گا، مغربی یورپ میں نہ کوئی نظم تھا نہ اتحاد، بازنطینی اور ایرانی حکومتیں ایک دوسرے کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں، ہندوستان بھی منقسم اور تباہ حال تھا۔"[2]

رابرٹ بری فالٹ Robert Briffault

لکھتا ہے:

"پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی، اس دور کی وحشت و بربریت، زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کی لاش کی تھی، جو سڑ گئی ہو، اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے، اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی، وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گذشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہونچ گیا تھا، جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔"

قدیم مذاہب نے جس تہذیب کو پروان چڑھایا تھا، اس کے زوال کے بارے میں جے۔ ایچ ڈینی سن J.H.Denison لکھتا ہے:

"پانچویں اور چھٹی صدی عیسوی میں مہذب دنیا افراتفری کے دہانہ پر کھڑی تھی، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ چار ہزار سال کی مدت میں جس تہذیب نے بال و پر نکالے تھے وہ منتشر ہونے والی ہے، اور انسان پھر اسی بربریت کی جانب لوٹنے والا ہے، جس میں ہر قبیلہ اور فرقہ ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار ہو جائے اور امن و امان معدوم ہو جائے...... پرانے قبائلی نظام کی توانائی ختم ہو چکی تھی...... عیسائیت نے جو روایات قائم کی تھیں وہ اتحاد اور نظم کے بجائے تفرقہ اور تباہی کی جانب لے جا رہی تھیں، یہ زمانہ المناک تھا، تہذیب جو ایک تناور درخت کی طرح ساری دنیا کو اپنے سایہ میں لئے ہوئی تھی، اور جس کی شاخیں علم و فن اور ادب کے زریں پھل دے چکی تھیں، بربادی کے قریب تھی، اسے گھن لگ چکا تھا۔" [۴]

نسل انسانی اور تہذیب و تمدن کی اس جاں کنی کے عالم میں جزیرۃ العرب میں خدا نے ایک انسان کو پیدا کیا اور نوع انسانی کو نہ صرف بچانے بلکہ انسانیت کے اس اعلیٰ سے اعلیٰ مقام تک پہونچانے کا دشوار ترین اور نازک ترین کام سپرد کیا، جو مورخوں کے وسیع تجربے اور شاعروں کے بلند تخیل سے بھی فزوں تر تھا، اور اگر اس کیلئے ناقابل انکار تاریخی شہادتیں اور تواتر نہ ہوتا تو اس کا یقین کرنا بھی مشکل تھا، یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی جو چھٹی صدی مسیحی میں ظہور میں آئی، آپ کا پہلا کام یہ تھا کہ آپؐ نے اس تلوار کو جو نوع انسانی کے سر پر لٹک رہی تھی اور کوئی گھڑی تھی کہ اس کے سر پر گر کر اس کا کام تمام کردے، ہٹا لیا، اور اس کو وہ تحفے عطا کئے جنہوں نے اس کو نئی زندگی، نیا حوصلہ، نئی طاقت، نئی عزت اور نئی منزل سفر عطا کی، اور ان کی برکت سے انسانیت، تہذیب و تمدن، علم و فن، روحانیت و اخلاص اور تعمیر انسانیت کا ایک نیا دور شروع ہوا، انہوں نے انسانی معاشرہ کو ایک بے بہا دولت عطا کی جس پر انسانیت کی خیر و برکت اور تمدن کی تعمیر و ترقی کا دارومدار ہے، وہ قیمتی سرمایہ ہے: بھلائی سے محبت اور برائی سے نفرت کا مقدس ترین جذبہ، اور شرک کی قوتوں اور اس کے مرکز کو پاش پاش کرنے اور خیر کی توسیع و ترقی کیلئے قربانیاں دینے کا مبارک عزم، انسان کی تمام ترقیات، سربلندیوں اور ناقابل فراموش کارناموں کا اصل اور اساسی سبب یہی مقدس جذبہ اور مبارک عزم ہے، کیونکہ تمام اسباب و وسائل، ساز و سامان اور تجربہ و تحقیق کے ادارے، انسان کے عزم و ارادہ کے تابع ہیں، انہوں نے قساوت و بہیمیت کو رحمت و رأفت اور شرافت و انسانیت میں بدل دیا، انہوں نے اپنی اعلیٰ تعلیمات کی اشاعت کی، اس کیلئے مسلسل و متواتر جدوجہد جاری رکھی، عیش و آرام کی پرواہ نہیں کی، عزت و وقار کا خیال نہیں کیا، حتیٰ کہ اپنے جسم و جان کی بھی فکر نہیں کی۔

اس مسلسل و جاں کاہ محنت و مشقت کے نتیجہ میں انسانیت سے عاری حیوانوں اور پھاڑ کھانے والے درندوں میں ایسے نیک نفس لوگ پیدا ہوئے، جن کے انفاس سے دنیا معطر ہوگئی، جن کے حسن و جمال سے انسانیت کی تاریخ میں دلکشی و رعنائی آگئی، جو رفعت و منزلت میں فرشتوں سے بھی آگے نکل گئے، تباہ و برباد ہونے والی انسانیت کو نئی زندگی مل گئی، عدل و انصاف کا دور دورہ ہوگیا، کمزوروں میں طاقت والوں سے اپنا حق وصول کرنے کی ہمت و طاقت پیدا ہوئی، بھیڑیوں نے بکریوں کی گلہ بانی کی، فضاؤں میں رحم و کرم کی خنکی چھا گئی، الفت و محبت کی خوشبو پھیل گئی، سعادت کا بازار گرم ہوگیا، دنیا میں جنت کی دکانیں سج گئیں، ایمان و یقین کی عطر بیز ہوائیں چلنے لگیں، انسانی نفوس ہوا و ہوس کی گرفت سے آزاد ہوگئے، قلوب بھلائیوں کی طرف ایسے کھنچنے لگے جیسے مقناطیس کیطرف لوہے کے ٹکڑے۔

ہم اختصار اور انتخاب کے طور پر ان چند بنیادی اور قیمتی عطیوں کا ذکر کریں گے، جنکا نوع انسانی کی رہنمائی، صلاح و فلاح اور تعمیر و ترقی میں نمایاں کردار رہا ہے، اور جنہوں نے ایک زندہ اور درخشندہ دنیا کی تخلیق و تشکیل کی ہے، جو کہنہ اور زوال پذیر دنیا سے کوئی مشابہت نہیں رکھتی۔

وہ عطیات Gifts درج ذیل ہیں:

۱۔ صاف اور واضح عقیدۂ توحید۔

۲۔ انسانی وحدت و مساوات کا تصور۔

۳۔ انسانیت کے شرف اور انسان کی عزت و بلندی کا اعلان۔

۴۔ عورت کی حیثیت عرفی کی بحالی، اور اس کے حقوق کی بازیابی۔

۵۔ ناامیدی اور بدفالی کی تردید اور نفسیات انسانی میں حوصلہ مندی اور اعتماد و افتخار کی آفرینش۔

۶۔ دین و دنیا کا اجتماع اور حریف و برسرجنگ انسانی طبقات کی وحدت۔

۷۔ دین و علم کے درمیان مقدس دائمی رشتہ کا قیام و استحکام، اور ایک کی قسمت کو دوسرے کی قسمت سے وابستہ کردینا، علم کی تکریم و تعظیم اور اسے بامقصد مفید اور خدارسی کا ذریعہ بنانے کی سعی محمود۔

۸۔ عقل سے دینی معاملات میں بھی کام لینے، فائدہ اٹھانے، اور انفس و آفاق میں غور و فکر کی ترغیب۔

۹۔ اُمت اسلامیہ کو دنیا کی نگرانی و رہنمائی، انفرادی و اجتماعی اخلاق و رجحانات کے احتساب، دنیا میں انصاف کے قیام اور شہادتِ حق کی ذمہ داری قبول کرنے پر آمادہ کرنا۔

۱۰۔ عالمگیر اعتقادی و تہذیبی وحدت کا قیام۔

اب ہم اپنی طرف سے زیادہ کہنے اور تشریح کرنے کے بجائے چند مستند مغربی مفکرین و مصنفین اور ادباء و مورخین کے تأثرات و اعترافات پیش کرتے ہیں، اس مہذب دنیا کی جن چند چیزوں سے آبرو قائم ہے، اور جن کی بدولت تہذیب، تاریخ، اخلاقیات اور ادب و شاعری تک کی قدر و قیمت باقی ہے، وہ ناقابل انکار حقائق و واقعات کا اظہار و اعتراف، جوہر و کمال کی قدردانی، اور محسنوں کا تشکر اور احسان مندی ہے، اور جس دن ہماری یہ دنیا، ہماری ادبیات، ہمارا اخلاقی نظام اور ہماری ادبی صلاحیت اور اظہارِ خیال کی آزادی اس شریفانہ عنصر سے محروم اور عاری ہو جائے گی، اس دنیا میں رہنے اور بسنے کی لذت و عزت جاتی رہے گی، اور دنیا چوپایوں اور درندوں کی ایک بستی بن جائے گی، جہاں سوائے پیٹ بھر لینے، اپنی سفلی خواہشات کی تکمیل اور ہوا و ہوس کے سوا کوئی محرک طاقت نہیں ہوگی، اور جہاں استاد و شاگرد، لینے والے اور دینے والے، معالج و مریض، (حتیٰ کہ مادر و پدر و فرزند) کے درمیان رشتہ، اور محافظ و رہزن کے فرق کا احساس بھی جاتا رہے گا۔

اسی فطری جذبۂ احسان مندی کے بارے میں "انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس" کے مقالہ نگار ولیم، ایچ، ڈیوڈسن (William H. Davidson) کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ ایک فطری اور عالمگیر انسانی جوہر ہے، جس کو ہر زمانہ میں زندہ رہنا چاہئے۔

مقالہ نگار لکھتا ہے:

"بقول تھامس براؤن Thomas Brown جذبۂ تشکر محبت کے اس فرحت بخش جذبہ کا نام ہے جو ہم کسی دوسرے سے فائدہ پہونچنے پر محسوس کرتے ہیں، یہ احساس بذات خود اس منفعت کا ایک جزء ہے جس سے ہم مستفید ہوتے ہیں۔

احسان مندی کسی مہربانی کا ردعمل ہے، جو پورے خلوص اور انبساط کے ساتھ واقع ہوتا ہے، یہ ردعمل فوری اور فطری ہوتا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ فطرتِ انسانی کی تشکیل کچھ اس طرح کی گئی ہے کہ انسانوں کے درمیان محبت و یگانگت اس کی بنیادی صفت ہے، اور نفرت و دشمنی (اپنی تمام علامتوں کے ساتھ) غیر فطری اور مخرب اخلاق ہے۔" [۵]

اس اخلاقی پستی، دنائت طبع، ضمیر کے مردہ و مفلوج ہونے اور شرافت انسانی کے آخری اثر سے محروم ہو جانے کا سب سے بڑا مظہر، مذہبی پیشواؤں، معمارانِ انسانیت، اور محسنینِ عالم کی نہ صرف احسان فراموشی بلکہ ان کے بارے میں وہ زبان و اسلوب اختیار کرنا ہے جو پست سے پست انسانوں کے بارے میں بھی روا نہیں ہے اور جس سے نہ صرف ان کے کروڑوں ماننے والوں اور ان پر جان قربان کرنے والوں کے دل و دماغ مجروح ہوتے ہیں بلکہ حقائق کا بھی خون ہوتا ہے اور دیکھنے والی آنکھوں میں خاک جھونکی جاتی ہے، کسی شریف معاشرہ اور کسی مہذب ملک کو بھی ایسے دنی الطبع، ضمیر فروش، احسان فراموش اور غیرمہذب انسانوں کو برداشت نہیں کرنا چاہئے۔

اس کے مقابلہ میں ہم اس مغربی دنیا کے (جہاں ہم اپنے خیالات پیش کر رہے ہیں) چند ترقی یافتہ اور مثالی ملکوں کے منصف مزاج، حقیقت پسند اور بلند پایہ مصنفین اور ادیبوں کے تأثرات اور خیالات پیش کرتے ہیں۔

فرانس کا مشہور ادیب لیمرٹائن Lamartine نبوت محمدی کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"کسی بھی انسان نے کبھی بھی شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے لئے اتنا رفیع الشان مقصد منتخب نہیں کیا، اس لئے کہ یہ مقصد انسان کی طاقت سے باہر تھا، توہمات اور خوش اعتقادیوں کو جو انسان اور اس کے خالق کے درمیان حجاب بن گئی تھیں، زیر و زبر کرنا، انسان کو خدا کے حوالہ کرنا، اور خدا کی چوکھٹ پر انسان کو لانا، اس زمانہ کی اصنام پرستی کے مادی خداؤں کی جگہ خدائے واحد کے پاکیزہ اور عقلی تصور کو از سرنو بحال کرنا، یہ تھا وہ عظیم مقصد...... کسی انسان نے کبھی بھی ایسے عظیم الشان کام کا جو کسی صورت سے انسانی طاقتوں کے بس کا نہ تھا، اتنے کمزور ذرائع کے ساتھ بیڑا نہیں اٹھایا......

خدا کی توحید کا ایسے دور میں اعلان کرنا، جبکہ دنیا لاتعداد ضمنی خداؤں کی پرستش کے بوجھ سے دبی ہوئی تھی، بذاتِ خود ایک قوی معجزہ تھا، محمدؐ کی زبان سے جیسے ہی اس عقیدہ کا اعلان ہوا، بتوں کے تمام قدیم معبدوں میں خاک اُڑنے لگی، اور ایک تہائی دنیا ایمانی حرارت سے لبریز ہوگئی۔" [۶]

جان ولیم ڈریپر John William Draper یورپ کی ذہنی و علمی تاریخ کے ضمن میں لکھتا ہے:

"۵۶۹ء میں جسٹی نین Justinian کی موت کے چار سال بعد سرزمین عرب کے شہر مکہ میں وہ شخص پیدا ہوا جس نے نسل انسانی پر سب سے زیادہ اثر ڈالا۔" [۷]

وہ مزید لکھتا ہے:

"محمدؐ میں وہ صفات جمع ہوگئی تھیں، جنہوں نے ایک سے زائد بار سلطنتوں کی قسمت کا فیصلہ کیا ہے...... انہوں نے مابعد الطبیعیات کے بیکار مباحث میں پڑنے کے بجائے لافانی صداقتوں پر زور دیا، اور اپنے آپ کو صفائی ستھرائی، سنجیدگی، روزے اور نماز کے ذریعہ لوگوں کی سماجی ترقی کیلئے وقف کردیا۔" [۸]

اس صدی کا عظیم مفکر و مورخ ٹائن بی

Toynbee لکھتا ہے:

"مسلمانوں میں نسلی امتیاز کا مکمل خاتمہ اسلام کا ایک عظیم کارنامہ ہے، موجودہ دنیا کی جو حالت ہے اس میں اسلام کی اس خصوصیت کی تبلیغ واشاعت وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔" 9

یہ عجیب اتفاق ہے کہ دوسو (۲۰۰) سال قبل تھامس کارلائل (Thomas Carlyl) نے تمام پیغمبروں میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا ہیرو منتخب کیا تھا، اوراب بیسویں صدی کے اخیر میں امریکہ کے مائیکل ایچ ہارٹ (Michael H. Hart.) نے ان لوگوں کی فہرست میں جو تاریخ عالم میں انسانیت پر سب سے زیادہ اثر انداز ہوئے ہیں، آپ کا ہی نام سرفہرست رکھا ہے۔ 10 (جاری)

حاشیہ

1-H.G.Wells, A Short History of the world, (London-1924) PP. 140-41

2- A Short History of the worl d,(London-1924) P. 144.

3- Robert Briffault, The making ofHumanity, (London-1919) P.164

4- J.H.Denison, Emotionas the Basis of Civilization, (London-1928), P. 265

5- Encyclopedia of Religion and Ethics, Edinburg-1913, Vol. 6 P. 391

6 - ہسٹری ڈی لاترکی ج Lamartine (لیمرٹائن) Histoire De La Turquie, Paris-1854, Vol. 2 PP.276-277 (ص ۲۷۶ـ۲۷۷ پیرس (۱۸۵۴ء)

7- John William Draper, A History of the Intellectual Development of the Europe, London-1875, Vol. 1,P. 229

9- Toynbee, A. J. Civilization on Trial, Newyork-1948, P. 205

10- Mchael H. Hart. the 100- A Ranking of the most Influential Person in History, NewYork, 1978, P. 26(

(بقیہ صفحہ ...... ۲۱......)

میں پائے جاتے ہیں۔ قلیوبی اس سے غنیمت ہے مگر فنی لحاظ سے، بہت ناقص ہے۔

مولاناؒ نے ایک تجدیدی کارنامہ انجام دیا ہے کہ ادب کا ڈھانچہ بدل دیا، اس کی تعریف جو کئی سو برس پہلے سے چلی آرہی تھی غلط نظر آنے لگی۔ اسی سلسلہ میں ادب اسلامی کی تحریک جب مصر وشام کے فضلاء نے شروع کی تو اس کی صدارت حضرت مولاناؒ کے سپرد کی، اور مولاناؒ نے اس ادب کو متعارف کرایا جس کا نمونہ آج مراکش سے نکلنے والے "المشکاۃ" اور ریاض سے نکلنے والے "الأدب الإسلامي" اور ہندوستان سے شائع ہونے والے "کاروان ادب" میں نظر آتا ہے۔

ہندوستان کے اندر جدید علم الاصنام کو جب حکومت وقت نے پھیلانا شروع کیا اور اسلام کو ساتویں اور آٹھویں نمبر پر منجملہ دیگر مذاہب کے رسوم ورواج کا ایک نمونہ دکھلانا چاہا تو اس کی مخالفت مولاناؒ نے کی، اور قاضی عدیل عباسی مرحوم نے جب اس کا توڑ اپنے طریقہ پر کیا تو اس کا کھل کر ساتھ دیا۔ مولاناؒ کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں تھی کہ کوئی مفید کام میرے گھر سے شروع ہو تو کام ہے، ورنہ وہ بےکار اور ناکام ہے۔ مولاناؒ کے یہاں یہ نہیں تھا کہ اس کام سے میرا اور میرے باپ دادا اور میرے ادارہ کا نام روشن ہوگا۔ مولاناؒ کے یہاں اس بات کی اہمیت تھی کہ رسول کریم (ﷺ) کا نام نامی جہاں روشن ہو، اللہ کا کلام اور اللہ کی باتیں ہماری ذہانت کی اعلیٰ سطح اور ہماری عقلیت کا معراج ہو، وہ قابل قبول ہے، خواہ وہ کام مشرق سے شروع ہو یا مغرب سے۔ وہ دیوبند کے بھی قدرداں تھے، سہارنپور کے بھی بہی خواہ تھے، اور جہاں جہاں اللہ کا نام جس پیمانہ پر لیا جارہا ہے، وہ ان کی قبلہ گاہ تھی۔ اور جہاں اس سلسلہ میں کوتاہی ہو اس کے وہ دشمن تھے۔ خواہ مصر کے جمال عبد الناصر ہوں جن کے ذاتی پروپیگنڈے سے محیط سے خلیج تک ایک ہوا بہہ رہی تھی، اس کو بھی خاطر میں نہیں لائے، اور اعلانیہ پورے جوش و خروش کے ساتھ اس کا انکار کرتے رہے۔ ہندوستان کی ایک مظلوم اور مقہور قوم کا ایک فرد جس کا حکومت میں ایک کاغذ کو بھی ہلانے کا اختیار نہ ہو وہ پچاس ملین آبادی کے ملک نیل وفرات کے شہنشاہ، فراعنۂ مصر کے تخت نشین، روس اور امریکہ کے نور دیدہ اور لخت جگر کی مخالفت کرے اور سینہ ٹھونک کر سامنے آجائے، یہی وہ غیرت ہاشمی تھی جس نے سید احمد شہیدؒ کو اپنی جگہ سے اٹھایا، اور وہی ورثہ تھا جو مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو ملا۔

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی سیرت وسوانح پر عربی اور اردو میں بہت سی کتابیں نکل چکی ہیں اور نکل رہی ہیں، ان کا نام ایک سکۂ رائج الوقت بن چکا ہے، ان کی ذات اور ان کے قلم سے جس کتاب کو نسبت ہے اس کو عرب پریس فخر کے ساتھ شائع کررہا ہے، یہاں تک کہ کتابوں پر لکھے ہوئے مقدمات، تبصرے اور آراء پر بھی مشتمل مجموعے شائع ہورہے ہیں۔ یہ اللہ کی دین ہے اور وہاں کی مقبولیت کا ثمرہ ہے جو تمام مسلمانوں کی آبرو وسرچشمہ ہے ع

آبروئے ما زنام مصطفیٰ است

کا سبق الحمد للہ آج اسی قوت کے ساتھ لیا جارہا ہے، پڑھا جارہا ہے، لوگوں کو سنایا جارہا ہے جس طرح ان کی زندگی میں تھا۔

میرا خیال ہے کہ اگر یہ کتاب مولانا سید محمد رابع حسنی نہ لکھتے تو اسلامی لٹریچر میں ایک بڑی کمی رہ جاتی، اور انہوں نے یہ کتاب لکھ کر اپنے "ماموں جی" کا حق ہی ادا نہیں کیا بلکہ امت اسلامیہ کی ایک خدمت کی ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنی قبولیت اور نوازشات سے سرفراز رکھے۔ (۱)

---

(۱) اب جب کہ یہ مضمون نذر قارئین کیا جارہا ہے مولانا کی وفات کو چھ سال پورے ہوچکے ہیں اور ساتواں سال چل رہا ہے، اور خود صاحب مضمون بھی اپنے رب کے حضور پہنچ چکے ہیں، رحمهما الله تعالىٰ رحمة واسعة ☆☆☆

انسانی زندگی کی تشکیل میں کتاب وسنت کا کردار

از:............ مولانا عبداللہ حسنی ندوی

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے حکم سے رمضان المبارک میں تکیہ دائرہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں قیام کرنے اور آنے جانے والوں کے لئے کچھ معمولات عرصہ سے جاری ہیں۔ ان میں تہذیب الاخلاق (جو حضرتؒ کے والد ماجد کا انتخاب کردہ مجموعۂ احادیث ہے) کا عمومی درس بھی شامل ہے، اب افادۂ عام کے لئے نظر ثانی کے بعد شائع کیا جارہا ہے، یہ تقریر www.bhatkallys.com پر سنی جاسکتی ہے۔ ٹیپ سے اس کو مولوی عبدالعلیم ندوی امام کچی مسجد کلکتہ نے نقل کیا ہے۔ جو سب کے شکریہ کے مستحق ہیں۔

گمراہی سے بچنے کا راستہ اللہ کی کتاب اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس امت کو صحیح راہ پر گامزن رہنے کیلئے دو محفوظ اصول عطا فرمادیئے ہیں اگر امت کا کوئی فرد ان دونوں اصولوں کو سامنے رکھ کر اپنی زندگی گذارے تو ہر طرح کی گمراہی اور بے راہ روی سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ ایک اللہ کی کتاب ہے اور دوسرا اصول رسول پاک علیہ السلام کی سنت اور دونوں ہی محفوظ ہیں۔ اس لئے دونوں ایک دوسرے سے ایسے وابستہ ہیں کہ ان کے ذریعہ قرآن کو وضاحت کے ساتھ سمجھ سکتے ہیں۔ جب قرآن کی وضاحت اور اس کا بیان وابستہ ہے سنت سے تو ظاہر ہے کہ سنت کو بھی اس طرح محفوظ رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں یہ بات وضاحت کے ساتھ فرمادی ہے۔

﴿إنا نحن نزلنا الذكر و إنا له لحافظون﴾ کہ ذکر کو ہم نے نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں جس کا مطلب خود بخود یہ سامنے آگیا کہ ہر وہ چیز جس کا تعلق قرآن کے ساتھ جس درجہ میں ہے وہ اسی درجہ میں باقی رہے گی۔

اللہ تعالیٰ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمادیا ہے ﴿لتبين للناس مانزل إليهم﴾ اور جو کچھ نازل کیا جارہا ہے اس کی تبیین (وضاحت و تشریح) فرمادیں اللہ تعالیٰ نے قرآن کو نازل کیا اور پھر اس طرح نازل کئے ہوئے قرآن کی تبیین، تشریح، تفسیر، توضیح اور تفصیل رسول پاک علیہ السلام کے ذمہ کردی کہ آپ بیان کریں، یہ کلام کس کا ہے؟ ایسے کا کلام ہے جس کی معرفت اللہ کے رسول کو جتنی ہے اتنی اور کسی کو نہیں ہوسکتی ہے اور جب تک صاحب کلام سے آشنائی نہ ہو اس کے مزاج سے واقفیت نہ ہو یعنی معرفت نہ ہو تو کلام کی تشریح نہیں کی جاسکتی۔ اس لئے اللہ نے رسول علیہ السلام کے ذمہ یہ کام کردیا کہ اب آپ اس کی تشریح اور تفسیر بیان کریں، ایسی کوئی بات نہ رہ جائے کہ سمجھ میں نہ آئے اور پھر کہنے والا یہ کہے کہ اس زمانہ کیلئے اس میں رہنمائی کا سامان نہیں ہے۔ اس لئے یہ بھی انتظام کردیا گیا کہ مسلسل ایسے علماء پیدا ہوتے رہیں جو زمانہ کے اسلوب اور زبان میں اس کی وضاحت کا فریضہ انجام دیتے رہیں، باقی یہ بھی فرمایا گیا۔

﴿ولقد يسرنا القرآن للذكر فهل من مدكر﴾ کہ قرآن کو اللہ نے یاددہانی، نصیحت کیلئے آسان بھی کردیا ہے۔ وہ آدمی جس کو اللہ نے عربی زبان اور دینی علوم سے بہرہ مند کیا ہو وہ قرآن کو سمجھ سکتا ہے۔ اس کیلئے آسان ہے۔ یہ نہیں کہ ہر کس و ناکس جو کہ عربی زبان سے واقف نہ ہو اور ان علوم کو نہ جانتا ہو جن سے قرآن مجید کو سمجھا جاتا ہے اس کیلئے بھی یہ آسان ہوجائے۔ ہاں اس کا کوئی جز اس کیلئے آسان ہوسکتا ہے مثلاً حفظ آسان کردیا۔ چاہے کوئی سمجھے یا نہ سمجھے اس کو یاد کرلیتا ہے رٹ لیتا ہے۔ یہ آسان کردیا۔ چاہے کسی بھی ملک کا رہنے والا ہو لیکن قرآن مجید کو یاد کرلیتا ہے۔ حالانکہ یہ معاملہ اور کسی زبان کے ساتھ وابستہ نہیں ہے۔ کوئی ہندی کی کتاب ہو کسی انگریز سے کہئے اس کو رٹ لو! تو دو سطریں بھی رٹنا اس کیلئے مشکل ہوگا، لیکن یہ صرف قرآن کے ساتھ خاص بات ہے کہ زبان جانتا ہو یا نہ جانتا ہو تب بھی اس کو یاد کرلیتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید ہم کو محفوظ شکل میں عطا فرمایا اور پھر اس کے بعد رسول پاک علیہ السلام سے فرمایا کہ اس کی تشریح کردیں، اب دو چیزیں ہوگئیں۔ ایک اللہ کا قرآن اور دوسرے رسول پاک ﷺ کی تشریح، اپنی زبان سے بھی اور عمل سے بھی، یہی دو چیزیں جو تھام لے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا اور آپؐ نے صاف صاف فرمادیا کہ میں دو چیزیں چھوڑ کر جارہا ہوں جو ان کو تھام لے گا وہ کبھی گمراہ نہیں ہوگا، ایک اللہ کی کتاب، دوسری میری سنت، یہ دو چیزیں ایسی ہیں کہ ان کے بعد گمراہی کا کوئی شائبہ نہیں۔ حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید اوپر بھی اٹھاتا

ہے، بلند کرتا ہے، عزت دیتا ہے اور گرا بھی دیتا ہے، اور خاک میں ملا دیتا ہے جو قرآن سے تعلق اور رابطہ، حدیث وسنت سے رابطہ اور اس کے واسطے رکھتا ہے اس کو اٹھاتا ہے اور جو من مانی کرتا ہے اور بغیر علم کے رائے زنی کرتا ہے اور اس کے آداب کی بجا آوری میں کوتاہی کرتا ہے اس کو گرا دیتا ہے۔ اسی لئے سنت ہر اس طبقہ کے لئے ناقابل قبول ہوتی ہے جو خاندانی روایات، علاقائی عادات کا حد سے زیادہ پابند ہو یا تہذیب جدید کا حد سے زیادہ دلدادہ ہو۔

اخلاص کے ضمن میں یہ بات آتی ہے کہ جو بھی کام اللہ کی رضا کیلئے نہ کیا جائے اس پر ثواب نہیں ملے گا، اسی طرح ہر وہ کام جو سنت کے مطابق نہیں ہوگا وہ مقبول نہیں ہوگا، اور عقیدہ کا تو مسئلہ یہ ہے کہ اگر عقیدہ درست نہ ہو تو اچھے سے اچھا کام اس کے لئے نافع نہیں۔ اس کو نجات دینے والا نہیں اس طرح جو بھی کام اخلاص کے ساتھ نہ ہو وہ بیکار ہے اس پر کچھ ملنے والا نہیں، اور ہر وہ کام جو سنت کے مطابق نہ ہو وہ مقبول نہیں مردود ہے۔

بدعت کی خرابی اور نحوست

حدیث میں فرمایا گیا "من أحدث فی أمرنا هذا ما ليس منه فهو ردّ" امر سے مراد دین اور شریعت یعنی دین اور شریعت کے مطابق ہونا۔ تو جو کام کتاب وسنت کے مطابق ہو یا اس سے تعلق رکھتا ہو وہ کام تو مقبول ہے اور اگر دین وشریعت سے اس کا تعلق نہیں ہے تو وہ مردود ہے مقبول نہیں ہے۔ چاہے دیکھنے میں کتنا ہی اچھا معلوم ہو رہا ہو، چاہے اس سے تعلق رکھنے والا کیسا ہی ہو، چاہے نہایت اخلاص سے ہی کر رہا ہو، بدعت میں ہوتا کیا ہے؟ ایک آدمی ایسے کام کو جس کا دین وشریعت سے کوئی تعلق نہیں، قرآن وحدیث سے اس کا کوئی واسطہ نہیں، لیکن وہ کر رہا ہے عبادت سمجھ کر تو یہ سب سے زیادہ ناراضگی کا باعث ہے، اسی لئے علماء نے لکھا ہے کہ کوئی بدکاری اپنی ماں کے ساتھ کرے بدعت اس سے بھی زیادہ برا ہے۔ کیونکہ وہ غلط کام کرے گا غلط سمجھ کر اور یہاں غلط کام کر رہا ہے اچھا سمجھ کر، دین سمجھ کر کر رہا ہے۔ ہر وہ کام جسے دین سمجھ کر کرے، عبادت سمجھ کر کرے اور اس کا تعلق نہ دین سے ہو اور نہ شریعت سے ہو بدعت ہے۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاںؒ نے بدعت کی تعریف یوں کی ہے "کسی ایسی چیز کو جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے دین میں شامل نہیں کیا ہے اور اس کا حکم نہیں دیا، دین میں شامل کر لینا اور اس کا ایک جز بنا دینا، اس کو ثواب اور تقرب الی اللہ کے لئے کرنا اور اس کی کسی خود ساختہ اصطلاحی شکل اور وضع کئے ہوئے شرائط و آداب کی اس طرح پابندی کرنا جس طرح کسی شرعی حکم کی پابندی کی جاتی ہے بدعت ہے" یعنی نہ اللہ کی کتاب سے ہو اور نہ رسول پاک کی سنت سے ہو تو وہ کام کسی کام کا نہیں، بالکل بے کار ہے۔ اس لئے ہر کام عقیدہ کے درستگی کیساتھ، اخلاص کے ساتھ اور سنت کے مطابق ہونا چاہئے اسی کو آپ ﷺ نے مختلف انداز سے احادیث میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم جب تقریر فرماتے تو آپ کی آنکھیں سرخ ہو جاتیں اور آواز بلند ہو جاتی، غصہ تیز ہو جاتا اور ایسا معلوم ہوتا کہ آپ کسی لشکر سے آگاہ کر رہے ہوں کہ وہ ابھی حملہ کر دیگا، صبح کو حملہ کر دیگا شام کو حملہ کر دے گا، اس طرح بیان فرماتے تھے اور پھر قیامت کا نقشہ کھینچتے تھے کہ اللہ نے مجھے اس طرح بھیجا اس طرح بھیجا کہ قیامت اور میں اس طرح ملے ہوئے ہیں جیسے یہ دونوں انگلیاں ہیں، اس میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں کہ مجھ میں اور قیامت میں اتنا ہی فرق ہے۔ زمانہ اتنا گزر چکا ہے اتنا سارہ گیا ہے جتنی سی انگلی نکلی ہوئی ہے اتنا ہی بس باقی ہے۔ دوسرے یہ کہ میں اور قیامت اس طرح ہیں کہ جس طرح ان دونوں انگلیوں کے درمیان کوئی تیسری انگلی نہیں۔ یعنی اب میرے بعد قیامت ہی آئے گی اب میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا اب اللہ کے رسول کے بعد قیامت ہی آنی ہے، اور آپ فرماتے ہیں: سب سے اعلیٰ درجہ کی بات کلام اللہ کی بات ہے اور سب سے بہتر راستہ رسول پاک علیہ السلام کا راستہ ہے اور بدترین معاملات نو ایجاد کردہ چیزیں ہیں یعنی جو دین سے تعلق نہیں رکھتی لیکن ان کو دین سمجھ لیا گیا ہے، ہمارا یہ ملک اس کا سب سے بڑا گہوارہ ہے۔ کتنے کام لغو ہیں، بے ہودہ ہیں لیکن ان کو دین سمجھ کر کیا جا رہا ہے، خاص طور سے قبروں سے متعلق تو سارے ہی کام جن کو دین سمجھ کر کیا جا رہا ہے ان کا کوئی تعلق دین سے نہیں ہے۔ ان کو بڑی تعداد دین سمجھ کر کر رہی ہے ان کا انجام کیا ہوگا؟ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کے یہاں مقبول ہی نہیں ہیں۔

حضرت شاہ علم اللہؒ کے چند واقعات:

ہمارے حضرت شاہ علم اللہؒ یہیں مدفون ہیں، یہ اپنے زمانے کے سب سے بڑے متبع سنت بزرگ تھے۔ حضرت اورنگ زیبؒ نے ایک مرتبہ خواب دیکھا کہ رسول اللہ کا وصال ہو گیا ہے۔ بہت گھبرائے کہ ہماری سلطنت کا زوال ہونے والا ہے۔ علماء سے تعبیر پوچھی تو سب نے یہ بتایا کہ آپ کی سلطنت میں سب سے زیادہ جو متبع سنت بزرگ تھے ان کا انتقال ہو گیا ہے، اور علماء ہی نے کہا کہ ہماری نظر میں سب سے زیادہ متبع سنت حضرت شاہ صاحب ہیں۔ اورنگ زیبؒ نے فوراً ایک آدمی روانہ کیا معلوم کرنے کے لئے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کے بارے میں اطلاع دو معلوم ہوا کہ جس رات خواب دیکھا تھا اسی رات یہاں حضرت شاہ علم اللہ

صاحبؒ کا انتقال ہو گیا۔ یہ چونکہ نہایت متبع سنت بزرگ تھے اس لئے اللہ نے اورنگ زیبؒ کو یہ دکھایا۔ دو تین اتباع سنت کے واقعات اور سن لیجئے۔

حضرت شاہ علم اللہؒ حیدرآباد تشریف لے گئے، لوگوں نے کہا کہ حضرت یہاں ایک بزرگ ہیں بڑے مرتاض، بڑے اللہ والے اگر آپ ان سے ملاقات کریں تو بہت اچھا ہو، حضرت شاہ صاحب نے کہا بہت اچھا، میں ضرور ملاقات کروں گا، کہاں تشریف رکھتے ہیں؟ کہا: فلاں مسجد میں، فرمایا میں وہی نماز پڑھوں گا، اور ملاقات کر لوں گا، مسجد میں نماز پڑھی اور باہر نکلنے لگے، لوگوں نے کہا حضرت ملاقات تو کر لیں فرمایا: کہاں ہیں؟ کہا یہاں حجرہ میں رہتے ہیں، چلہ کشی کی وجہ سے مسجد میں آکر نماز نہیں پڑھتے۔ فرمایا میں ایسے بدعتی سے نہیں ملتا جو جماعت چھوڑ کر چلے میں بیٹھ جائے اور وہیں سے واپس آگئے ملاقات نہیں کی، اسی طرح حضرت شاہ صاحب ایک مرتبہ لکھنؤ تشریف لے گئے تھے، وہاں ٹیلے والی مسجد ہے۔ شاہ پیر محمد صاحب کی، وہ ایک بزرگ ہیں اور حضرت شاہ صاحب کے معاصر ہیں، پیر محمد صاحب حضرت شاہ صاحبؒ سے ملنے آئے۔ گیروے رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھے مالا پڑی تھی۔ حضرت شاہ صاحب نے جب دیکھا کہ مالا پڑی ہے اور گیروے رنگ کے عجیب ہند وانے کپڑے پہنے ہوئے ہیں تو حضرت شاہ صاحب نے منھ موڑ لیا۔ کہا میں بدعتی سے نہیں ملتا اور جیسے ہی شاہ صاحب نے منھ موڑا ویسے ہی انہوں نے مالا توڑ ڈالا اور جلدی سے کپڑے اتارے اور سفید کپڑے پہن لئے اور کہا حاضر ہیں۔ پھر شاہ صاحب نے معانقہ کیا اور ملاقات کی، اسی طرح ایک صاحب بیعت ہونے آئے اور ایک سال ساتھ رہے پھر بیعت ہوئے شاہ صاحب نے فرمایا کیا دیکھا؟ عرض کیا کہ سال بھر میں کوئی عمل بھی سنت کے خلاف نہیں دیکھا، یہی چیز دیکھنے کی ہے، اس وقت لوگوں کا مزاج بگڑ گیا ہے کہ یہی نہیں دیکھتے، کوئی تحریر وتقریر کی خوبی دیکھ کر معتقد ہو جاتا ہے۔ کوئی کرامت و خرق عادت کو اصل سمجھ رہا ہے۔ کوئی استغراق وسکر کی فکر میں گرفتار ہے۔ کوئی خواب وخیال کی دنیا میں مگن ہے اور کوئی بھیڑ اور مالداروں کا رجوع دیکھ کر عقیدت کے پھول نچھاور کر رہا ہے۔ غرض یہ کہ سب کچھ ہے لیکن سنت اور استقامت سے کسی کو کوئی دلچسپی نہیں۔ حالانکہ جتنے اللہ والے ہیں وہ اسی راستہ سے اس مقام تک پہونچے ہیں۔ یہ تو ظاہری سنتیں ہوئیں اب ایک اور سنت کا واقعہ سن لیجئے، حضرت شاہ صاحبؒ یہیں تشریف رکھتے تھے سامنے ہی گھر تھا جہاں مدرسہ "تحفیظ القرآن" ہے۔ وائسرائے صاحب ملنے آئے حضرت شاہ صاحب اندر جا چکے تھے۔ انہوں نے کہلوایا کہ جا کر کہہ دو کہ وائسرائے صاحب ملنے آئے ہیں وہ غیر مسلم تھے۔ اورنگ زیبؒ کا زمانہ تھا۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنے بیٹے سے کہا کہ ٹھیک ہے وہ ملنے آئے ہیں لیکن میں تو اب گھر میں آچکا ہوں نیت سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ کس نیت سے نکل کر ملاقات کروں، اللہ کا نیک بندہ ہو تو ملاقات کروں یہ تو مشرک بندہ ہے جو اپنے شرک پر قائم ہے۔ جا کر کہہ دو کہ اگر وہ کلمہ پڑھیں تو باہر نکل کر کلمہ پڑھا سکتا ہوں۔ بیٹے نے آکر عرض کیا کہ حضرت یہ فرما رہے ہیں کہ آپ اسلام قبول کریں۔ کلمہ پڑھیں تو میں نکل سکتا ہوں ورنہ پھر معذور رکھیں، وہ حیرت میں پڑ گیا۔ کہنے لگا کہ بڑے بڑے بزرگ مجھ سے ملنے کیلئے وظیفے پڑھتے ہیں کہ مجھ سے ملاقات ہو جائے اور یہ عجیب قسم کے آدمی ہیں کہ میں ملنے آیا ہوں اور وہ باہر نہیں نکل رہے ہیں، پھر واپس چلے گئے، نیت کا اتنا لحاظ اور ایسا استحضار تھا............ (جاری)

اعلان

ایک گزارش

مشہور اور ممتاز علمی، ادبی اور دینی شخصیت حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ کے حالات، خدمات اور سیرت پر "تعمیر حیات" کی خصوصی اشاعت کے لئے ادارہ اصحاب قلم حضرات اور مولانا کے متعلقین سے گزارش کرتا ہے کہ وہ اپنی نگارشات وسط اپریل ۲۰۰۶ء تک ادارہ کو ضرور ارسال فرمائیں۔

(ادارہ)

ہجرت نبوی کا پیغام اُمت مسلمہ کے نام

از: .... شمس الحق ندوی

یہ ۱۴۲۷ھ کا آغاز ہے، سنہ ہجری تاریخ انسانی کا وہ حیرت انگیز موڑ ہے جو مکی زندگی کی تیرہ سالہ مدت میں ہمت و حوصلہ، صبر و رضا، حلم و تدبر، حکمت و موعظت، اپنے اصول واقدار پر مردانہ وار قائم رہنے اور اپنے منصب وفریضہ کی ادائیگی کے لئے پہاڑ کی طرح جمے رہنے اور عداوت ومخالفت کے جان گداز و جگر سوز طوفانوں میں کشتی انسانیت کو ساحل سے ہم کنار کرنے کے لئے جان کی بازی لگا دینے کی ایسی جیتی جاگتی مثال ہے جس کی پوری تاریخ انسانی میں کوئی مثال نہیں ملتی؟

لیکن مکہ کی سنگلاخ زمین پر اس کا کوئی اثر نہ پڑا بمشکل انگلیوں پر گنی جانے والی تعداد نے اس دعوت کو قبول کیا اور جو قبول کرتا وہ گویا اپنے کو ابتلا و آزمائش کیلئے پیش کر دیتا۔

غور فرمایئے کہ عرب ہی نہیں پوری دنیا میں جنگل کا قانون جاری ہے۔ حضرت موسیٰ و عیسیٰ کی تعلیمات مٹ چکی ہیں، جو بگڑے اور بچھڑے ہوئے انسانوں کو راہ راست پر لانے اور ان کو اشرف المخلوقات ہونے کا سبق یاد دلانے کیلئے وجود میں آئی تھیں، اگر کہیں کسی درجہ میں ان کا کچھ اثر باقی تھا تو اتنا کہ جتنا برسات کی گھن گھور گھٹاؤں کی اندھیری رات میں جگنو کی چمک۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب ”نبی رحمت“ میں چھٹی صدی عیسوی کے عالم گیر فساد و بگاڑ، مذاہب کی اوہام پرستی اور روح سے خالی بلکہ ظن و تخمین پر قائم عقائد کا بڑا تفصیلی جائزہ یوروپین مصنفین اور ہندوستانی فلاسفہ کی شہادتوں کے ساتھ آئینہ کی طرح پیش کر دیا ہے۔ آخر میں خلاصہ کے طور پر فرماتے ہیں ”غرض بعثت محمدی کے زمانہ میں پوری انسانیت تیزی کے ساتھ خودکشی کے راستہ پر گامزن تھی۔ انسان نہ صرف یہ کہ اپنے خالق و مالک کو بھول چکا تھا اور خود اپنے آپ کو اور اپنے مستقبل اور انجام کو فراموش کر چکا تھا۔ اس کے اندر بھلائی اور برائی اور زشت و خوب میں تمیز کرنے کی بھی صلاحیت باقی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کے دل و دماغ کسی چیز میں کھو چکے ہیں۔ ان کو دین اور آخرت کی طرف سر اٹھا کر دیکھنے کی بھی فرصت نہیں اور روح و قلب کی غذا، اخروی فلاح، انسانیت کی خدمت اور اصلاح حال کیلئے ان کے پاس ایک لمحہ خالی نہیں۔“ (نبی رحمت ص: ۴۵)

اس گھٹا ٹوپ اندھیرے میں جہاں ہاتھ کو ہاتھ نہیں سجھائی دے رہا ہو۔ قرآنی الفاظ میں ﴿ظلمات بعضها فوق بعض إذا أخرج يده لم يكد يراها﴾ ایک خدا کو چھوڑ سیکڑوں خداؤں کا عقیدہ اور اوہام وخرافات نے ذہنوں کو شل اور مفلوج کر رکھا ہو، ظلم و جور، بے حیائی اور فحش کاری نے تمام اقدار اور انسانی حس شعور کو روند ڈالا ہو، شیطنت کے اس شور و ہنگامہ میں جہاں کان پڑی آواز نہ سنائی دیتی ہو، اصلاح حال کی آواز لگانا، بھٹکے ہوؤں کو راہ راست کی طرف بلانے کی ہمت و جرأت بڑے دل گردہ کا کام تھا، بے شمار خداؤں کی پوجا پاٹ کرنے والوں کے بیچ! علامہ سید سلیمان ندویؒ کے الفاظ میں

”توحید کی آواز ایک بیگانہ آواز تھی، جو مسافرانہ بے کسی کے عالم میں محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے بلند ہوئی، پورب، پچھم، دائیں، بائیں، ہر طرف اس صدائے حق کو اجنبی اور نامانوس سمجھا گیا، آواز دینے والے نے حسرت سے چاروں طرف دیکھا اور ہر طرف اس کو بیگانگی، اجنبیت اور مسافرانہ بے کسی کا منظر نظر آیا۔“

دنیا کا ہر پڑھا لکھا انسان جانتا ہے۔ دوست و دشمن سب کو معلوم ہے کہ ہجرت سے پہلے مکہ کے مکمل تیرہ سال کس کس طرح گذرے ہیں۔ طائف کے مسافر پر کیا کچھ نہیں گذری، شعب ابی طالب میں محصور کر دیئے جانے والے مردوں، عورتوں اور بچوں پر کیا بیتی۔

اس طرح سے مکہ میں پورے تیرہ سال گذر جاتے ہیں اور اسلام اور داعی اسلام حسرت و بے کسی ہی کے عالم میں وقت گذارتے ہیں۔ اس پوری مدت میں بقول عباس محمود العقاد:

اسلام اس سست رفتاری کے ساتھ بڑھ رہا تھا جیسے غم کی گھڑیاں گذرتی ہیں اور جیسے کوئی جواں مرد عداوتوں اور مخالفتوں کے طوفانوں میں پہاڑ کی طرح جما رہتا ہے۔ قدم بڑھاتا ہے اور بڑھنے نہیں پاتا، تیرہ سال کی مدت میں جیسے تاریخ میں ٹھہراؤ پیدا ہو گیا کوئی بڑی تبدیلی ہوتی ہی نہیں جیسے تاریخ کا دامن سمٹ سمٹا کر رہ گیا ہے۔ لیکن جب ہجرت ہوتی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ پہونچتے ہیں تو دنیا میں ہلچل پیدا ہو جاتی ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت کے وقت آپ کے قدم تاریخ کے اس حساس حصہ پر پڑ گئے جس سے حرکت شروع ہو جاتی ہے اور تاریخ کا چکا تیزی سے گھومنے لگتا ہے۔ ہجرت میں آپ کے قدم زمین پر نشان چھوڑ رہے تھے لیکن اس کے اثرات تاریخ پر اثر ڈال رہے تھے۔ ہجرت کی مسافت تو مکہ مدینہ کے درمیان تھی لیکن اس کے اثرات مشرق و مغرب پر پڑ رہے تھے۔

جس کی تصویر کشی حضرت سید صاحبؒ اس طرح کرتے ہیں: ”رفتہ رفتہ اجنبیت دور ہوئی، بیگانگی کافور ہوئی، آواز کی کشش اور نوائے حق کی بانسری نے دلوں میں اثر کیا، کان والے سننے لگے جو سننے لگے سر دھننے لگے، یہاں تک کہ وہ دن آیا کہ سارا عرب اس کیف سے معمور اور اس شراب سے مخمور ہو گیا اور اسلام کا مسافر اپنے گھر (مدینہ) پہونچ کر اپنے عزیزوں اور دوستوں میں ٹھہر گیا۔“

اب وہ قافلہ بن کر آگے چلا، عرب کے ریگستانوں سے نکل کر عراق کی نہروں اور شام کے گلستانوں میں پہونچا۔ پھر آگے بڑھا اور ایران کے مرغزاروں اور مصر کی وادیوں میں آکر ٹھہرا، اس سے آگے بڑھا، تو ایک طرف خراسان و ترکستان ہو کر ہندوستان کے پہاڑوں اور ساحلوں پر اس کا جلوہ نظر آیا اور دوسری طرف افریقہ کے صحراؤں کو طے کر کے اس کا نور بحر ظلمات کے کنارے چمکا۔

لیکن ۱۴۲۶ھ سال کے اس پورے عرصہ میں اسلام کی تابناک شعاعوں کے پھیل جانے کے باوجود اس کے خلاف سازشوں اور اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کی کوششوں میں کوئی کمی نہیں آئی اور آتی بھی کیسے کہ انسانوں کے ازلی دشمن ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے قیامت تک کیلئے مہلت دی ہے۔ لہٰذا جس طرح اس نے عہد نبوت میں ہجرت سے قبل مکہ کے ”دار الندوہ“ کی میٹنگ میں شیخ نجدی کی شکل میں سربراہان قریش کو آپؐ کے قتل کا مشورہ دیا تھا اور ہجرت کے بعد بنو کنانہ کے سردار کی شکل میں اہل مکہ کو غزوۂ بدر میں لے آیا تھا اور ایسی ہی کارگذاری اس نے غزوۂ احزاب کے موقع پر بھی دکھائی تھی اور ہر موقع پر ناکام رہا تھا، عہد نبوت کے بعد بھی اس کا یہ کام برابر جاری ہے اور اسلام کی چودہ سو سالہ تاریخ میں کبھی وہ چین سے نہیں بیٹھا ہے۔ نئے نئے انداز میں اسلام دشمن چیلوں کو میدان میں لاتا اور اسلام کو نیست و نابود کر دینے کی کوشش کرتا رہا ہے اور کئی مرحلے ایسے آئے ہیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ اسلام ابھر نہیں سکے گا لیکن کئی بار ایسا ہوا کہ اسلام سے برسرپیکار قوموں نے خود کو اسلام کے حوالہ کر دیا۔ اور ع

پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانہ سے

کی تاریخ دہرائی جاتی رہی۔ اس وقت اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی پیمانے پر جو سازشیں کی جارہی ہیں ان سے ایسا محسوس کیا جانے لگا ہے جیسے اب اسلام کی بقا کے راستے بند ہو جائیں گے اور مسلمان مایوسی کا شکار ہونے لگے ہیں۔ ان حالات میں ہجرت نبویؐ مسلمانوں کو یہ پیغام دیتی ہے کہ جب اسلام کو اس وقت نہ مٹایا جاسکا جب داعی تنہا تھا اور اپنے حلم و تدبر سے اس کو اس مرتبہ پر پہونچایا کہ آسمانی اعلان ہوا۔ ﴿إذا جاء نصر الله والفتح ورأيت الناس يدخلون في دين الله أفواجاً فسبح بحمد ربك واستغفره إنه كان توابا﴾

اس لئے اہل ایمان کو حالات کی ناسازگی اور اعداء اسلام کی ریشہ دوانیوں سے گھبرانا اور مایوس نہیں ہونا چاہئے۔ بلکہ اپنے فریضۂ دعوت کو انجام دینے میں پوری ہمت و حوصلہ کے ساتھ لگے رہنا چاہئے۔ سمندر کا جھاگ اُمنڈتا رہتا ہے اور سوکھتا رہتا ہے لیکن پانی زمین میں جذب ہو کر فائدہ پہونچاتا رہتا ہے۔ فتنے اٹھتے رہیں گے کشتی اسلام فتنوں کے بھنور سے نکلتی رہی ہے اور نکلتی رہے گی۔ اقبال کے الفاظ میں۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

اور۔

اُلٹ جائیں گی تدبیریں، پلٹ جائیں گی تقدیریں
حقیقت ہے، نہیں میرے تخیل کی یہ خلاقی

(بقیہ صفحہ ......۳۰......)

۳۔ اشارے کا طریقہ یہ ہے کہ بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر حلقہ بنائیں، چھنگلی اور اس کے برابر والی انگلی کو بند کر لیں اور شہادت کی انگلی کو اس طرح اٹھائیں کہ انگلی قبلہ کی طرف جھکی ہوئی ہو، بالکل سیدھی آسمان کی طرف نہ اٹھانی چاہئے۔

۴۔ الا اللہ کہتے وقت شہادت کی انگلی تو نیچے کر لیں لیکن باقی انگلیوں کی جو ہیئت اشارے کے وقت بنائی تھی، اس کو آخر تک برقرار رکھیں۔

سلام پھیرتے وقت

۱۔ دونوں طرف سلام پھیرتے وقت گردن کو اتنا موڑیں کہ پیچھے بیٹھنے والی عورت کو آپ کے رخسار نظر آجائیں۔

۲۔ سلام پھیرتے وقت نظریں کندھے کی طرف ہونی چاہیں۔ جب دائیں طرف گردن پھیر کر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہیں تو یہ نیت کریں کہ دائیں طرف جو فرشتے ہیں ان کو سلام کر رہی ہوں اور بائیں طرف سلام پھیرتے وقت بائیں طرف موجود فرشتوں کو سلام کرنے کی نیت کریں۔

دعا کا طریقہ

دعا کا طریقہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ اتنے اٹھائے جائیں کہ وہ سینے کے سامنے آجائیں دونوں ہاتھوں کے درمیان معمولی سا فاصلہ ہو، نہ ہاتھوں کو بالکل ملائیں اور نہ دونوں کے درمیان فاصلہ رکھیں۔

دعا کرتے وقت ہاتھوں کے اندرونی حصے کو چہرے کے سامنے رکھیں۔

ایک مسئلہ:

عورتوں کا جماعت کرنا مکروہ ہے، ان کیلئے اکیلے نماز پڑھنا ہی بہتر ہے البتہ اگر گھر کے محرم افراد گھر میں جماعت کر رہے ہوں تو ان کے ساتھ جماعت میں شامل ہونے میں کچھ حرج نہیں لیکن ایسے میں مردوں کے بالکل پیچھے کھڑا ہونا ضروری ہے، برابر ہرگز کھڑی نہ ہوں۔ (ماخوذ از نمازیں سنت کے مطابق ادا کیجئے و نمازیں درست کیجئے)۔

رد عمل

اظہار رائے کی یکطرفہ آزادی

عالم اسلام کا احتجاج

از:..........نذر الحفیظ ندوی

گزشتہ سال ۳۰ر ستمبر کو ڈنمارک کے ایک روزنامہ نے حضور اکرم ﷺ سے متعلق بارہ ایسے کارٹون شائع کئے جن کے ذریعہ اسلامی قدروں کو طنز وتعریض کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ ایڈیٹر نے ان کارٹونوں پر اظہار رائے کرتے ہوئے لکھا تھا کہ مسلمان کیسے اس طرح کے مذہب اور اس کے پیغامبر کو تقدس کا درجہ دیتے ہیں۔ اس نے یہ بھی لکھا کہ اس وقت پوری دنیا میں یہی مذہب ہے جو تشدد اور دہشت گردی کو ہوا دے رہا ہے، دنیا کے مہذب لوگوں کو چاہئے کہ وہ اسلام کے اس تقدس سے پردہ اٹھائیں اور اسلام کی تاریک اور بھیانک تاریخ کی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح کردیں۔

ان کارٹونوں کی اشاعت سے ڈنمارک میں مقیم ایک لاکھ اسی ہزار مسلمانوں پر بجلی سی گرگئی، چنانچہ ڈنمارک میں متعین مسلم ممالک کے گیارہ سفراء نے باہمی مشورے سے طے کیا کہ اخبار سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ اس حرکت پر معذرت کرے اور معافی مانگے، لیکن اخبار کے ایڈیٹر نے معذرت کرنے سے انکار کردیا، پھر ان سفراء نے ڈنمارک کے وزیر اعظم سے ملاقات کی درخواست پیش کی، لیکن اس نے ملاقات تک کی درخواست مسترد کردی.......... ان کے دفتر نے یہ بھی بتایا کہ اس کا تعلق آزادیٔ رائے سے ہے حکومت اس معاملہ میں مداخلت نہیں کرتی، اگر مسلمان چاہیں تو عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا سکتے ہیں۔

ڈنمارک میں متعین مصر کی خاتون سفیر اس معاملہ میں پیش پیش تھیں، انہوں نے ہی اس صورت حال کی اطلاع تنظیم اسلامی کانفرنس کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر احسان اوغلو کودی، چنانچہ گزشتہ دسمبر میں مکہ مکرمہ میں جو کانفرنس ہوئی اس نے اس معاملہ پر غور کرکے یہ قرارداد پاس کی کہ مقدس مذہبی شخصیات کے خلاف تحقیر آمیز رویہ سے قوموں کے درمیان نفرت وکراہیت پیدا ہوتی ہے، آزادیٔ رائے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ادیان ومذاہب اور ان کی شخصیات کو طنز وتعریض کا نشانہ بنایا جائے، تنظیم اسلامی کانفرنس نے ڈنمارک کے وزیر اعظم کو بھی اس سلسلہ میں خط لکھ کر صورت حال کی طرف متوجہ کیا اور یوروپی سلامتی کونسل کو بھی صورت حال کی اطلاع دی، لیکن وہی ڈھاک کے تین پات کہ ہم آزادیٔ صحافت کے قائل ہیں، تین ماہ تک یوروپی کونسل نے جب کوئی جواب نہیں دیا تو ڈنمارک کے ان سفراء نے جو عرب ملکوں میں سفارت کا کام کرچکے تھے، ان ۲۲ر سابق سفراء نے ڈنمارک حکومت کی پالیسی پر سخت تنقید کی، اس کے بعد ڈنمارک کی اکیس مسلم تنظیموں کے نمائندوں نے مصر کا دورہ کرکے شیخ الأزہر اور عرب لیگ کے جنرل سکریٹری سے ملاقات کی، وزرائے خارجہ نے اس موقع پر ایک مشترکہ بیان میں حکومت ڈنمارک کی پالیسی پر شدیدی تنقید کی، بالآخر تنظیم اسلامی کانفرنس کے جنرل سکریٹری نے عرب حکومتوں کے مشورے سے اعلان کر دیا کہ ڈنمارک کی مصنوعات کا بائیکاٹ کیا جائے گا، خلیجی ممالک کے تعاون سے جو نمائش کوپن ہیگن میں لگنے والی تھی وہ ملتوی کردی گئی۔ تمام خلیجی ملکوں نے سفارتی سطح پر اس کی اطلاع ڈنمارک کو دیدی۔ اسی کے ساتھ سعودی عرب میں ایک کارخانہ ڈنمارک کے تعاون سے قائم ہو رہا ہے، اس کو منسوخ کردیا گیا، نیز عرب ممالک کو آنے والی ان تمام مصنوعات کے بائیکاٹ کا اعلان کردیا گیا چنانچہ اس اعلان کے دوسرے ہی دن ڈنمارک سے آنے والے تمام مصنوعات بندر گاہوں اور ہوائی اڈوں پر چھوڑ دئے گئے، جن دوکانوں میں مصنوعات کا اسٹاک تھا انہیں دوکان کے باہر پھینک دیا گیا ریاض، جدہ، قاہرہ، دبئی اور دمشق سے اطلاعات ملیں کہ کوئی شخص مفت بھی ڈنمارک کی پنیر ومکھن کو لینے کے لئے تیار نہیں تھا، پہلے ہی دن دس کروڑ ڈالر کا نقصان ہوا، یہ صورت حال دیکھ کر ڈنمارک کے وزیر اعظم کی آنکھیں کھلیں اور انہوں نے دبے لہجے میں معذرت کی، اس بیان کے بعد سرکاری حلقوں نے عرب اخبارات میں پورے ایک صفحہ کا معذرت نامہ شائع کرادیا، اور یہ اطمینان کرلیا کہ اتنی معذرت کے بعد ہماری مصنوعات کا بائیکاٹ ختم ہوجائیگا لیکن یہ بائیکاٹ بدستور باقی ہے، اور ڈنمارک سے آگے بڑھ کر پوری دنیا کے مسلمانوں کی طرف سے سخت احتجاجی مظاہرے کئے جارہے ہیں، یوروپی یونین میں شامل مغربی ملکوں نے بجائے معذرت کے اس موقع پر ڈنمارک کا ساتھ دیا اور وہاں کے اخبارات ورسائل اور ویب سائٹ پر کارٹون شائع کرنے میں ایک دوسرے سے مقابلہ کررہے ہیں تاکہ مسلمانوں کے زخموں پر اور بھی نمک پاشی کی جائے، سپر پاور امریکہ کے متکبرین نے تو اور بھی آگے بڑھ کر مسلمانوں کے جذبات پر تنقید کرڈالی اور انہیں ہوش سے کام لینے کی تلقین فرمادی، حالانکہ خود ریاستہائے متحدہ امریکہ کے سپریم کورٹ نے ہمیشہ اپنے فیصلوں میں اس بات پر زور دیا ہے کہ کسی بھی ملک کے قانون اور دستور نے کسی کو یہ اجازت نہیں دی ہے کہ وہ کسی فرد کو گالی دے یا اس کے ساتھ حقارت ونفرت کا معاملہ کرے چہ جائے کہ اس کا تعلق ادیان ومذاہب اور ان کی مقتدر اور محترم ہستیوں سے ہو۔

اس بائیکاٹ کا تذکرہ کرتے ہوئے ڈنمارک کی سب سے بڑی کمپنی ارلافوڈز نے اعلان کیا کہ اس بائیکاٹ کی وجہ سے قطر، سعودی عرب، اور کویت میں کمپنی کو روزانہ اٹھارہ لاکھ ڈالر کا نقصان ہو رہا ہے۔ کمپنی نے کہا ہے کہ مشرق وسطیٰ میں اس کا کاروبار پانچ سو ملین ڈالر تھا، اس میں ساٹھ فیصدی سعودی عرب جاتا تھا۔ ریاض میں ڈنمارک اور سعودی عرب کے مشترکہ تعاون سے ایک کارخانہ قائم ہونے والا تھا، یہ منصوبہ بھی اب ٹھپ پڑگیا ہے۔

کویت کی مشہور تنظیم جمیعۃ الاصلاح الاجتماعی نے اپنے ایک بیان میں ڈنمارک کی پالیسی پر شدید تنقید کی. اور تمام مسلمانوں سے اپیل کی کہ وہ ڈنمارک ہی نہیں تمام یوروپی مصنوعات کا مقاطعہ کریں، جمیعۃ الاصلاح نے حکومت کویت کے اس اقدام کو سراہا کہ اس نے کویت میں متعین ڈنمارک کے سفیر کو بلاکر اس واقعہ پر احتجاج کیا۔

سعودی عرب نے ڈنمارک سے اپنا سفیر واپس بلالیا۔ دوسری طرف لیبیا میں زبردست احتجاج ہوا تو ڈنمارک نے سفیر واپس بلالیا۔

کردستان کے مسلمانوں کی تمام تنظیموں اور جماعتوں نے ڈنمارک پر شدید تنقید کی اور مسلم حلقوں پر زور دیا کہ اپنے سفراء کو وہاں سے واپس بلالیں اور اس کی مصنوعات کا بائیکاٹ کریں۔

دوسری طرف اس معاملہ میں برطانوی اخبارات میں اس موضوع پر کثرت سے لکھا جارہا ہے، مشہور دانشور اور ممتاز صحافی رابرٹ فسک نے روزنامہ انڈی پنڈنٹ میں ڈنمارک کی پالیسی پر شدید تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے کہ جو لوگ تہذیبوں کے تصادم کی بات کرتے ہیں وہ بچکانہ ذہنیت رکھتے ہیں، صحافی لکھتا ہے کہ مسلمان سنگین حالات کے باوجود اپنے مذہب پر قائم ہیں اور وہ اسی کی فضا اور ماحول میں زندگی گزارتے ہیں، وہ اپنے نبی کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کے لئے تیار نہیں ہیں، صحافی لکھتا ہے کہ جرمنی اور فرانس میں یہ قانون موجود ہے کہ کوئی شخص یہودیوں کا مذاق نہیں اڑاسکتا، اور اگر برطانیہ اور امریکہ میں کوئی شخص کسی یہودی عالم کا کارٹون شائع کرے گا تو فوراً اس پر سامی دشمن ہونے کا الزام لگ جائے گا اور اس کو کہیں پناہ نہیں ملے گی۔ ایسے وقت میں جب کہ مصر وفلسطین میں اسلام پسند عناصر اپنا وجود ثابت کررہے ہیں یہ مناسب نہیں کہ ہم کسی طرح بھی اسلام کے خلاف فضا گرم کریں، آخر میں یہ صحافی لکھتا ہے کہ مغربی میڈیا نے بن لادن کی جو تصویر پیش کی ہے وہی تصویر کارٹون بنانے والے نے حضرت محمد ﷺ پر فٹ کردی جو سراسر ظلم اور ناانصافی ہے۔

دوسری طرف یوروپ وامریکہ میں مقیم مسلمانوں اور ان کی تنظیموں نے ڈنمارک کے خلاف احتجاج اور تنقیدی بیانات کا سلسلہ جاری رکھا ہے، ملکیکو کے مسلمانوں کی تنظیم نے ڈنمارک کے اخبار کو احتجاجی خط لکھا ہے اور یہ سوال کیا ہے کہ آپ بتاسکتے ہیں کس مسلمان ملک نے ایٹم بم کس ملک پر پھینکا ہے؟ کس نے کلسٹر بم اور سفید فاسفورس نیز نیپام بم بے گناہ انسانوں پر پھینکا ہے؟ ہیروشیما اور ناگاساکی کو کس مذہب والوں نے تاراج کیا؟ ویتنام کو کس نے تباہ وبرباد کیا؟ کس کی پالیسی کی بدولت عراق میں دولاکھ بچے دوا نہ ملنے کی وجہ سے مرگئے؟

عرب ممالک کی سرکاری ونیم سرکاری تنظیموں نے اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ایسا قانون بنائے جس میں کسی بھی دین ومذہب اور اس کی مقدس شخصیات کے ساتھ تحقیر واہانت آمیز رویہ ممنوع اور قابل جرم ہو، الجزائر، تونس، مراکش اور یوروپ میں قائم اسلامی مراکز اور شخصیات نے ڈنمارک کے واقعہ کے خلاف احتجاجی مظاہرے کئے، اور بیانات دیئے۔

عرب ممالک میں، سعودی عرب میں اخبارات اور مساجد کے ائمہ نے ڈنمارک کی پالیسی اور رویہ پر شدید تنقید کی، حرمین شریفین کے ائمہ نے بڑی مؤثر تقریریں کیں اور عوام سے مطالبہ کیا کہ یوروپی ملکوں کی مصنوعات کا مقاطعہ کیا جائے، پاکستان، افغانستان، ایران، ملیشیا، انڈونیشیا، برونائی، تھائی لینڈ، فلپائن، دوسری طرف نائیجیریا، اسپین اور ترکی میں احتجاجی مظاہرے ہوئے، تہران میں ڈنمارک کے سفارت خانے پر حملہ ہوا۔ اس کا پرچم نذر آتش کیا گیا، فلسطین میں بھی ڈنمارک کا پرچم نذر آتش کیا گیا، تونس اور مراکش والجزائر میں ڈنمارک نے اپنا سفارت خانہ احتجاج کے دن بند رکھا، اردن میں ڈنمارک، اسرائیل اور ناروے کا پرچم جلایا گیا اور حکومت اردن سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ڈنمارک

کے ساتھ تجارتی معاہدے منسوخ کردے ،عراق میں بھی جنگ کے باوجود ڈنمارک کے خلاف مظاہرے ہوئے۔

پوری دنیا میں بڑے پیمانے پر جو مظاہرے مسلسل ہو رہے ہیں اس پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے ڈنمارک کے وزیر اعظم نے مذاہب کے درمیان ڈائیلاک اور افہام وتفہیم پر زور دیا اور مسلمانوں سے درخواست کی کہ وہ جذبات سے کام نہ لیں ،انہوں نے عالم اسلام میں مسلسل مظاہروں پر کافی تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ہمیں اس بات کی فکر ہے۔ افغانستان اور عراق میں ہماری فوجوں کو مزید خطرات کا سامنا کرنا پڑے گا۔ دوسری طرف یوروپی یونین میں شامل انیس ملکوں نے مسلم ملکوں پر زور دیا ہے کہ وہ ان کے سفارت خانوں کی حفاظت کا اہتمام کریں، آسٹریا نے جو ان دنوں یوروپی یونین کا صدر ہے شدید تنقیدی انداز اختیار کرتے ہوئے مسلم ملکوں سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ یوروپی شہریوں کی جان ومال کی حفاظت کے ذمہ دار ہیں ۔ دوسری طرف اکثر یوروپی دانشوروں نے اس واقعہ کا تحلیل وتجزیہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس صورت حال کی وجہ سے تمام دنیا کے مسلمانوں کا تاثر یہ ہے کہ مغربی ممالک ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ،اس صورت حال سے بعض تنظیموں نے سیاسی فائدہ اٹھالیا ہے۔ اٹلی کے وزیر خارجہ نے کہا کہ جس بڑے پیمانے پر مظاہرے ہو رہے ہیں ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کی اچھی طرح پلاننگ کی گئی ہے۔

سعودی اخبارات نے یوروپ کے ردعمل کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا کہ مغربی میڈیا کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ ان کے یہاں آزادئ رائے ہے اور ان کی صحافت کلی طور پر آزاد ہے۔ روزنامہ عکاظ نے لکھا ہے کہ مغربی میڈیا ہی نہیں وہاں کے دانشور اور سیاستداں سب کا معیار دوہرا بلکہ دوغلے پن کا ہے۔ اخبار نے لکھا ہے کہ جس کارٹونسٹ نے بھی کسی یہودی یا عیسائی کا مذاق اڑانے کی کوشش کی اس پر جرمانہ لگایا گیا،اور اخبار سے اس کو نکالا بھی گیا ۔ آسٹریا ،سوئزرلینڈ ،جرمنی ،فرانس اور برطانیہ میں ایسے کتنے واقعات پیش آچکے ہیں، سعودی روزنامہ لکھتا ہے کہ ایک بار آسٹریا کے کارٹونسٹ نے ملکہ الزبتھ، جاک شیراک، اور بش کا کارٹون بنایا تھا ، آسٹریا کی حکومت نے اس کارٹون پر تینوں حکومتوں سے معذرت طلب کی، سوئزرلینڈ کی ایک کمپنی نے اپنی مصنوعات پر یہودی شعار کے بجائے صلیب بنادیا تو اس پر ستر ہزار یورو کا جرمانہ لگایا گیا۔ اخبار لکھتا ہے کہ بلجیم، سوئزرلینڈ ، نیوزی لینڈ ، جرمنی ، فرانس اور آسٹریا میں قوانین بنے ہوئے ہیں کہ کوئی شخص کسی مذہب کا مذاق نہیں اڑاسکتا، یہ قابل مواخذہ جرم ہے۔

ڈنمارک کے واقعہ کے سلسلہ میں سب سے افسوسناک رویہ مصر کا رہا، ڈنمارک میں مقیم مصری خاتون سفیر نے سب پہلے سے ان کارٹونوں پر احتجاج کیا ، انہوں نے ہی ڈنمارک میں مقیمین عرب سفراء کی میٹنگ بلائی: اس جرم میں خاتون سفیر کو مصری وزارت خارجہ نے وہاں سے ایک افریقی ملک بھیجدیا ، اسی زمانہ میں قاہرہ میں ڈنمارک کی رقاصائیں اسی روز قاہرہ کے روبیرا ہاؤس میں ڈنمارک کی ڈانس کا مظاہرہ کر رہیں تھی۔ دوسری طرف شیخ الازھر کا ارشاد تھا کہ ڈنمارک کے کارٹونسٹ نے جو کارٹون بنایا ہے وہ حضرت محمد ﷺ پر حملہ ہے، جو اس دنیا میں نہیں ہیں، وہ اپنی مدافعت بھی نہیں کر سکتے ، شیخ الازھر کے اس افسوسناک بیان پر مصر کے مفتی اور دوسرے علماء نے شدید تنقید کی اور اس کو افسوسناک قرار دیا۔

☆☆☆

(بقیہ صفحہ......١٨......)

حضرت عمرؓ نے فرمایا: کیوں نہیں؟ اس عورت نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تو سونے کا ڈھیر مہر میں دینے کی اجازت دیتا ہے اور آپ اس کو محدود کرنا چاہتے ہیں حضرت عمرؓ کی جرأت ایمانی کا یہ پہلو دیکھئے برسرعام اپنی غلطی تسلیم کرلی اور فرمایا:

أصابت امرأة و أخطاعمر ایک عورت نے صحیح راہ پالیا اور عمر نے غلطی کا ارتکاب کیا۔

شیخ محمد رضا نے اپنی کتاب ”الفاروق عمر بن الخطاب“ میں یہ روایت نقل کی ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک غزوہ میں مدینہ سے باہر گئے ہوئے تھے۔ پھر جب آپ مدینہ واپس آئے تو ایک حبشی لونڈی حضور کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بولی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے نذر مانی تھی کہ اگر آپ جنگ سے صحیح وسالم واپس آجائیں گے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم نے یہ نذر مانی ہے تو پھر دف بجاؤ اور نذر نہیں مانی تھی تو مت بجاؤ،تو وہ عورت دف بجانے لگی۔ اس حالت میں حضرت ابوبکرؓ آئے اور وہ دف بجاتی رہی۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہٗ آئے وہ دف بجاتی رہی۔ پھر حضرت عثمانؓ آئے اور وہ دف بجاتی رہی آخر میں حضرت عمرؓ تشریف لائے تو وہ اس دف پر بیٹھ گئی تاکہ اس کو چھپالے اور دف بجانا حضرت عمرؓ کے خوف سے بند کردیا۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عمرؓ: شیطان تم سے ڈرتا ہے دیکھو میں بیٹھا تھا اور یہ عورت دف بجارہی تھی ابوبکر، علی اور عثمان آئے اور یہ دف بجاتی رہی مگر جیسے تم داخل ہوئے اس نے دف کو پھینکدیا۔ یہ حدیث ترمذی میں وارد ہوئی ہے۔

(دیکھئے عمر بن الخطاب ص ٣٢)

☆☆☆

مغرب کا دوہرا معیار

از:...................................پرواز رحمانی

ڈنمارک۔ تین سال پہلے

یہ بات اپریل ٢٠٠٣ء کی ہے یعنی تقریباً تین سال پہلے کی ۔ ڈنمارک کے آرٹسٹ Christoffer Zieler نے حضرت عیسیٰ مسیح کی شبیہ پر مبنی کارٹونوں کا ایک سلسلہ ڈنمارک کے اخبار Jyllands-Posten کو برائے اشاعت بھیجا۔ اخبار کے ایڈیٹر Jens Kaiser نے یہ کہہ کر شائع کرنے سے انکار کردیا کہ اس سے عیسائی فرقے کے جذبات مجروح ہوں گے اور اس پر بہت چیخ وپکار ہوگی۔ مسیحی دنیا احتجاج کرے گی۔ کارٹون ساز زیلر کا کہنا تھا کہ اس نے یہ کارٹون بہت سوچ سمجھ کر بنائے تھے اور اپنے عیسائی دادا کو دکھائے بھی تھے جو ان سے محظوظ ہوئے تھے مگر ایڈیٹر کارٹون شائع نہ کرنے کے اپنے فیصلے پر اڑ رہا۔ اور اب یہ وہی اخبار Jyllands-Posten ہے جس نے اسلام کے آخری پیغمبر کی شبیہ پر مبنی ایک نہیں بارہ کارٹون شائع کر ڈالے اور اس کا ایڈیٹر بھی وہی Jens Kaiser ہے جو کارٹونوں کی اشاعت کا زبردست دفاع کر رہا ہے۔ تین سال پہلے انکار کا ریکارڈ لندن کے اخبار گارجین کی انٹرنیٹ سروس کے نامہ نگار Gwladys Fouche نے نکالا ہے (٦ر فروری) اور سوال اٹھایا ہے کہ کیا ڈنمارک کے اخبار کا یہ دہرا معیار نہیں ہے؟ جینس کیسر نے اس کا جو جواب دیا ہے وہ بھی بڑا مزیدار ہے ”پیغمبر اسلام ﷺ کے کارٹون ساز سے خود ہم نے فرمائش کی تھی کہ وہ یہ کارٹون بنائے جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کارٹونوں کے لئے ایسی کوئی فرمائش نہیں کی گئی تھی۔ وہ آرٹسٹ نے اپنے طور پر بنا کر بھیجے تھے۔“

صحافت کا گھٹیا پن محدود نہیں

بعض اوقات ہمیں ہندوستانی صحافت کے گھٹیا پن پر رونا آتا ہے لیکن کم از کم خارجی امور میں مغربی صحافت اس سے بھی زیادہ گھٹیا ہے۔ ڈنمارک کے ایڈیٹر کا طرز عمل کیا کھلی دھاندلی پر مبنی نہیں ہے؟ کیا گارجین کے نامہ نگار کے سوال کا جواب دیتے ہوئے اس نے ذرا بھی سوچا کہ یہ جواب کتنا مضحکہ خیز ہے،لوگ کتنا مزاق اڑائیں گے اور پوچھیں گے کہ آخر اس نے پیغمبر اسلام ہی کے کارٹونوں کی فرمائش کیوں کی حضرت عیسیٰ علیہ السلا کے کارٹونوں کی فرمائش کیوں نہیں کی؟ ویسے ایک پہلو سے ایڈیٹر کا جواب قابل فہم ہے، اسے یہی جواب دینا چاہئے تھا۔ کیونکہ معقول جواب ہو بھی نہیں سکتا تھا۔ دراصل ڈنمارک کے کارٹون جیسے واقعات اظہار رائے کی آزادی کے مغربی چمپیوں کے بے نقاب کر دیتے ہیں۔ یہ بات اخباروں اور ان کے ایڈیٹروں تک محدود نہیں ہے، سیاستدانوں کا حال بھی یہی ہے، حتی کہ حکمرانوں کی کم ظرفی کا عالم بھی یہی ہے۔ اٹلی کا وزیر کالڈرولی آخر حکمراں ہی تو ہے جو حضور ﷺ کے کارٹونوں کے ٹی شرٹ تقسیم کرنے کا منصوبہ رکھتا ہے۔ پھر بعض مغربی ملکوں کے حکمراں اور سیاستدانوں نے جو طرز عمل اس تنازعہ پر اختیار کیا ہوا ہے، اس سے بھی ان کی گھٹیا سوچ کے سوا کسی چیز کا پتہ نہیں چلتا۔

تنازعہ کا ایک پہلو

ویسے اس پورے تنازعہ کا ایک اور پہلو بھی ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جانا چاہئے۔ اور وہ پہلو اہل اسلام کے لئے اطمینان کا باعث ہے۔ یہ کہ عقیدۂ اسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے اہل مغرب کے پاس کچھ نہیں ہے۔ اسی لئے وہ ان گھٹیا طریقوں پر اتر آئے ہیں۔ اگر وہ اسلام کے اخلاقی قوت سے خوف زدہ ہیں تو انہیں اس کا مقابلہ علمی سطح سے شرافت کے ساتھ کرنا چاہئے۔ لیکن اگر وہ عقیدہ اسلام سے خوف زدہ اور اسلام کی اخلاقی قوت کے قائل نہیں ہیں تو پھر انہیں ان ہتھکنڈوں کے استعمال کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان کا موجودہ طرز عمل صاف بتاتا ہے کہ اسلام اور امت اسلام کے حوالے سے کوئی چیز ہے جس سے وہ خائف اور لرزاں ہیں، لیکن معقولیت سے اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہاں مسلمانوں کو یہ حقیقت بھی سامنے رکھنی چاہئے کہ تمام مغربی عوام اسلام اور امت مسلمہ کے خلاف نہیں ہیں۔ بحیثیت مجموعی وہ اسلام اور پیغمبر اسلام کا احترام کرتے ہیں۔ یہ صرف سیاستداں بعض حکمراں اور میڈیا کے بعض لوگ ہیں جو شرانگیزی کر رہے ہیں۔ سب ایسے نہیں ہیں۔ اس کا نقد ثبوت یہ ہے کہ ڈنمارک کے ایڈیٹر کے تین سال پہلے کے طرز عمل کا ریکارڈ ایک مغربی جرنلسٹ ہی نے دریافت کیا ہے اور اسی نے دہرے معیار کا سوال اٹھایا ہے۔

(بشکریہ سہ روزہ دعوت)

حضرت عمرؓ کی جرأت ایمانی (تاریخ کے آئینہ میں)

از: ....ڈاکٹر سید احتشام احمد ندوی، وزیٹنگ پروفیسر، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

حضرت عمرؓ کا ایمان قوی تھا، وہ حق کے خلاف کوئی کام برداشت نہ کرسکتے تھے، ان کی تلوار برہنہ ہوجاتی تھی اور انکا دل حق کیلئے کھل گیا تھا حتیٰ کہ وہ شہادت کی موت کو اصل سمجھنے لگے اور جو چارپائی پر انتقال کرے اس کو برا تصور کرنے لگے پھر خود ہی فرمایا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال بیماری سے ہوا اور حضرت ابوبکرؓ نے مرض سے وفات پائی تب ان کے دل سے یہ خیال جاتا رہا۔ وہ سمجھے کہ چارپائی پر مرنا بھی برا نہیں مگر خود شہادت کی دعا مانگی جو قبول ہوئی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دور خلافت میں ایک دُرّہ بنوالیا تھا اور جو شخص بھی راہ حق سے روگردانی کرتا اس کی خبر درّہ سے لیتے۔ بڑے بڑے صحابہ پر بھی وہ درے برسادیتے، ہر غلطی کرنے والا ان کے درے سے ڈرتا تھا، مگر یہ درہ صرف حق کے لئے اٹھتا تھا۔

حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ انہوں نے فتح مکہ سے قبل ایک عورت کو معاوضہ دے کر مکہ ایک خط لکھا جس میں مکہ والوں کو اطلاع تھی کہ آنحضرت ﷺ بہت بڑے لشکر کے ساتھ تم پر حملہ کرنے آرہے ہیں حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور مصلحت جنگ اس کا پورا اہتمام کیا تھا کہ یہ خبر پھیلنے نہ پائے۔ سارا معاملہ خفیہ تھا۔ مدینہ کے چاروں طرف چوکیدار مقرر تھے۔ حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ نے ایک عورت کو اپنا خط دے دیا اور وہ روانہ ہوگئی۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور ﷺ کے پاس آئے اور اس واقعہ کی آپ کو اطلاع دی۔ آپؐ نے فوراً حضرت علیؓ کو گھوڑے پر روانہ کیا کہ اس عورت کو پکڑ کر خط لے آئیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے اس عورت کو پکڑا اور اس کی تلاشی لی، اس کے پاس کوئی خط نہیں ملا اور اس نے خود بھی کہا کہ میرے پاس کچھ نہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا کہ تیرے پاس خط ضرور ہے اس لئے کہ حضورؐ نے فرمایا ہے۔ اگر تم خط نہیں دیتی تو میں تجھ کو برہنہ کردوں گا تب وہ ڈری اور اپنے جوڑے کے اندر سے خط نکال کر دیا۔ وہ خط مدینہ لایا گیا اور حضورؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ حضورؐ نے حاطب بن ابی بلتعہؓ کو بلایا اور ان سے اس کا سبب پوچھا وہ بولے یا رسول اللہؐ! میں مومن ہوں، ایمان پر قائم ہوں مگر میرے اہل وعیال سب مکہ میں ہیں اس لئے میں نے مکہ والوں پر یہ احسان کیا تاکہ وہ میرے بال بچوں کو نقصان نہ پہونچائیں۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ کی برہنہ تلوار اٹھ گئی اور وہ بولے کہ یارسول اللہ یہ منافق ہے۔ حکم دیجئے میں اس کا سر قلم کردوں اس نے کافروں کو آپ کے بھید سے واقف کرانے کی کوشش کی ہے۔ ادھر رحمت نبوت جوش میں آئی اور حضور بولے، اے عمر! حاطب بن ابی بلتعہ بدری ہیں۔ جنگ بدر میں باطل کے خلاف داد شجاعت دے چکے ہیں۔ تم کو کیا معلوم کہ اللہ نے بدری صحابہ سے کہہ دیا کہ جو چاہے کرو، تمہارے گناہ معاف ہیں۔ حضور ﷺ نے حاطبؓ کو معاف فرمایا اور کوئی سزا نہیں دی۔

حضرت عمرؓ راتوں کو عوام کی حالت معلوم کرنے کیلئے گشت لگاتے تھے، وہ ایک رات کو مدینہ میں گھوم رہے تھے کہ ایک گھر میں گانے کی آواز سنی، وہاں پہونچ گئے، گھر کی دیوار نیچی تھی پھاند کر اندر چلے گئے۔ دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی ناچ دیکھ رہا ہے اور گانا سن رہا ہے اور لونڈیاں ناچ رہی ہیں۔ حضرت عمر کی جرأت ایمانی بھڑک اٹھی اور فرمایا کہ اے بوڑھے! یہ تیری عمر ناچ گانے کی ہے۔ وہ حضرت عمرؓ کی سختی سے واقف تھا، وہ سمجھا کہ آج تو خیر نہیں ہے دیکھو کیا ہوتا ہے۔ اس بوڑھے نے کہا اے امیر المومنین! مجھے معاف فرمایئے۔ اس وقت آپ نے اور غلطیاں کیں۔ پہلی غلطی آپ نے یہ کی کہ تجسس کیا اور دوسری غلطی یہ کی کہ آپ بغیر اجازت میرے گھر کے اندر آگئے۔ حضرت خاموش رہے۔ کوئی جواب نہ دیا اور واپس آگئے۔ وہ بوڑھا اندر اندر خائف رہا۔ مدتوں بعد کسی موقع پر وہ بوڑھا حضرت عمرؓ کے پاس آیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے واقعہ کا ذکر کسی سے نہیں کیا۔ بوڑھے نے کہا کہ امیر المومنین میں نے پھر یہ کام نہیں کیا ہمیشہ کیلئے چھوڑ دیا۔

حق کو برمحل تسلیم کرلینا اور اپنی غلطی مان لینا بھی ایمان کی آزمائش ہے اور حضرت عمرؓ کے اندر اپنی غلطی کو تسلیم کرنے کی جرأت بھی تھی۔ انہوں نے مسجد نبوی میں ایک جلسہ کیا اور اس میں فرمایا کہ لوگ مہر کی رقم بہت زیادہ رکھتے ہیں۔ میں مہر کی رقم متعین کردینا چاہتا ہوں۔ ایک بوڑھی عورت کھڑی ہوئی اور بولی کہ اس مسئلہ سے آپ کا کیا تعلق ہے؟

(بقیہ صفحہ ۱۶ پر)

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی تازہ ترین تصنیف

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی- عہد ساز شخصیت

ایک تعارف

از: حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی شخصیت اور خدمات پر "مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ: عہد ساز شخصیت" کے نام سے ایک کتاب تصنیف کی جس کے لئے مولانا عبداللہ عباس ندویؒ سے مقدمہ کے لئے کہا، انہوں نے مکہ مکرمہ میں یہ مقدمہ تحریر فرما کر مولانا کو کتاب کے لئے ارسال کیا، یہ مقدمہ ان کی تحریروں میں شاہکار کی حیثیت رکھتا ہے افادۂ عام کے لئے نذر قارئین کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

مخدوم ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس اللہ سرہ کی وفات کو پانچ سال گذر گئے، چھٹا سال چل رہا ہے (۱) اس عرصہ میں آپ کی سوانح کے مختلف گوشوں پر متعدد کتابیں شائع ہوچکی ہیں، عربی میں بھی اور اردو میں بھی۔ ان میں ایک مکمل ترجمۂ حیات ہے۔ بلال میاں کے قلم سے ہے۔ ان کے والد عالم اسلام کے تسلیم شدہ صاحب قلم مولانا سید محمد الحسنی تھے، جو حضرت مولانا علی میاں قدس سرہ کے لخت جگر، نور نظر، امیدوں کے مرجع اور وہبی صلاحیتوں کے جامع تھے۔ سوانح نگاری اور وہ بھی اہل دین، اہل علم اور صاحب فیوض وبرکات بزرگوں کی سوانح لکھنا اس خاندان کا خاص ذوق ہے، "نزهة الخواطر" جس کی مثال ہے۔ اسی طرح حضرت مولاناؒ نے اپنی خود نوشت سوانح "کاروان زندگی" کے پہلے حصہ میں تحریر فرمادی ہے، جب کہ دوسرے حصہ میں حضرت کی زندگی میں پیش آنے والے عزیمت کے واقعات جیسے مسلم مجلس مشاورت کا قیام، دینی تعلیمی کونسل کا کام تحریک پیام انسانیت کا قیام اور ہزیمت کے قصے جیسے مصر پر اسرائیل کا غلبہ اور سقوط ڈھاکہ وغیرہ، ان پر حضرت کا تأثر۔ اسی دوران مسلم پرسنل لا کے ذریعہ کام، ادب اسلامی کی تحریک عالمی حوادث اور عربوں سے صاف صاف باتیں ہیں۔ ایسی باتیں جن میں کوئی لچک اور خوشامد یا جھکاؤ کا پہلو نہیں تھا، بلکہ ایک فریضہ کی ادائیگی مقصود تھی، اور وہ فریضہ کی ادائیگی بھی قانونی، اصولی اور سیاسی نوعیت کی ضرور تھی مگر حضرت کی فطرت کا ابال تھا، ایک اندرونی جوش تھا، ایک ہیجانی کیفیت تھی، جوان کے ہر بُنِ مُو سے آشکارا تھی۔

حضرت کے دوسرے سوانح نگار یا ان پر اپنے ذاتی تأثرات کا اظہار کرنے والے اور ان کی زندگی کے الہامی پہلوؤں کو اجاگر کرنے والے بھی ایک نہیں، کئی ہیں، عربی میں بھی اور اردو میں بھی، اور ان میں یہ راقم خاکسار بھی ہے، جس نے "میر کارواں" کے نام سے اپنا عقیدت نامہ مرتب کیا ہے۔ لیکن ان تمام لکھنے والوں میں حضرت مولاناؒ کی حیات پر جو سب سے زیادہ قوت کے ساتھ اپنے مشاہدات کی روشنی میں لکھ سکتا تھا وہ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے تادیر کام لے۔ مجھے بعض مرتبہ یہ خیال آیا کہ مولانا رابع میاں خود حضرت مولاناؒ کی تصویر ہیں اور تصویر مجسم ہیں، صورت شکل بھی حضرت سے مل گئی ہے۔ خیر یہ بات اس لئے بھی ہے کہ وہ ان کے حقیقی بھانجے ہیں، اور ایک خون کے دو پیکر ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولاناؒ پر جو انعامات خصوصی فرمائے ہیں ان میں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی بخشش کا نمونہ ہے کہ حضرت مولاناؒ کو ایسا جانشین دیا جو بلا نزاع ان کا آئینہ ہے، لیکن پھر بھی دل یہ چاہتا تھا کہ وہ لکھتے تو کچھ اور ہی بات ہوتی۔ لوگوں کے لئے جو کانوں سنی باتیں ہیں ان کے لئے آنکھوں دیکھی حقیقت ہے۔ لوگوں نے یہ سنا کہ حضرت مولاناؒ کی تربیت اور ان کے اندر للٰہیت کا جوہر اور دین کے لئے خدمت کا جذبہ اور دین پر قربان ہونے کی تمنا ان کی والدہ کا عطیہ تھا، ان کی تربیت کا ثمرہ، ان کی مناجاتوں اور دعاؤں کی قبولیت کا تحفہ تھا۔ مولانا رابع میاں کے لئے یہ باتیں سنی ہوئی نہیں بلکہ ان کی نانی صاحبہ کے اوراد ووظائف، طویل دعائیں اور شب بیداریاں گھر کی باتیں تھیں۔ پھر وہ سفر اور حضر میں حضرت کے شریک سفر ہی نہیں، مختار عام بھی تھے، وکیل بھی تھے، ان کی طرف سے ان کے مزاج کے مطابق بیانات بھی دینے والے تھے، اور جس بات کی ذمہ داری حضرت نے اپنے لئے لی، اس کو عملی طور پر نافذ کرنے والے بھی مولانا رابع میاں رہے ہیں۔ انہوں نے باقاعدہ سوانح کے نام پر تو نہیں، لیکن وہ کانٹے کی باتیں اور ایسے مشاہدات بیان کئے جو گویا خود ان پر گذرے ہوئے حالات تھے، ان کو جستہ جستہ مقالات کی شکل میں لکھتے رہے، جن کا مجموعہ آپ کے سامنے ہے، اور لوگوں نے بھی لکھا اور دلی عظمت ومحبت کے جذبہ سے لکھا، میں کسی کی خدمت کی ناقدری کرنے کا قائل نہیں، بلکہ ع

ہر گلے را رنگ وبوئے دیگر است

جس نے بھی لکھا ہے، اپنے مشاہدات اور

جذبات کا نچوڑ پیش کیا ہے، کسی سے لکھوایا نہیں گیا ہے، ہر ایک نے اپنے مشاہدات و جذبات کی ترجمانی کی ہے۔ اس پانچ سال کے عرصہ میں ضخیم اور مختصر بھی، عربی میں بھی اور اردو میں بھی، تاثراتی خاکے، مقالات کے مجموعے، مستقل سوانح مختلف عناوین سے شائع ہوتے رہے، اور الحمدللہ ان کا سلسلہ جاری ہے۔

مولانا رابع میاں کا مضمون "مولانا علی میاںؒ کی شخصیت کی تشکیل کے اہم عوامل" ابتدائی زندگی کا بہترین خاکہ ہے۔ مولانا نے اس میں ۱۸۵۷ء سے لے کر آخری دور تک کے عرصہ میں ابھرنے والی شخصیات کا حوالہ دیتے ہوئے مولاناؒ کے متعلق لکھا ہے کہ ان کا گھرانہ ننہیال کے اعتبار سے زمیندار اور کھاتا پیتا خاندان تھا، مگر دین کی سطوت اور اس کا غلبہ پوری طرح حاوی تھا، زمینداری اور دینداری دونوں دوش بدوش چلتی رہی، اور آبائی وراثت، زہد اور عفاف، دعوت و سرفروشی، دعا اور مناجات، تزکیہ اور انابت کی دولت عطا کرتی رہی۔ اور یہ دونوں دھارے ایک دوسرے میں مدغم ہوکر چلتے رہے۔ مولانا رابع میاں کی بات کو اگر میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے طرز تفہیم میں منتقل کرنا چاہوں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ بشریت کے تقاضے اور روحانیت کا جذب دونوں طاقتیں اپنی اعلیٰ قوت کے ساتھ آپ کے خاندان میں جمع تھیں، اور ان دونوں کے درمیان اتفاق و توازن تھا، افتراق و نزاع نہیں تھا۔ اور جس مٹی سے مولاناؒ کا ڈھانچہ گوندھا گیا اس میں نہ جوگیوں اور سنیاسیوں کی جیسی رہبانیت تھی اور نہ اہل ہوس کے جیسی نہ ختم ہونے والی دنیاوی طمع۔

حضرت مولاناؒ کی شخصیت کی تشکیل میں جن عناصر نے کام کیا اس پر تمام سوانح نگاروں کا اتفاق ہے، اور یہی مولانا رابع حسنی نے لکھا ہے کہ والدہ کی تربیت، مولانا احمد علی لاہوریؒ کی تعلیم، حضرت مدنی مولانا حسین احمد قدس سرہ کی دعائیں، حضرت تھانویؒ کا جوہر پاک کو پہچان لینا اور دعائیں دینا، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مجدد دعوت و تبلیغ اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریاؒ، شیخ طریقت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کی روحانی توجہات اور وقت کے تمام دوسرے مشائخ جیسے حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب فتحپوریؒ، شاہ محمد یعقوب مجددیؒ اور پرتاپ گڑھ کے مولانا محمد احمد صاحب پھولپوریؒ، سب کی دعائیں اور ان کی گرویدگی نے ایک انسانی مجسمہ کو عنایت الٰہی کا مورد اور آماجگاہ بنا دیا۔ مولانا رابع میاں نے بھی تقریباً یہی بات لکھی ہے، اور ان کی بات مستند ترین بات ہے، ان کے گھر کی بات ہے، آنکھوں دیکھی بات ہے۔

لیکن ایک دور افتادہ عاجز راقم کا خیال اور اس کا تجزیہ دوسرا ہے۔ ناچیز کے خیال میں اول و آخر حضرت کی والدہ اور بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبدالعلی صاحبؒ کی ظاہری اور باطنی پرورش اور تربیت نے مولاناؒ کے مس خام کو کندن بنا دیا، اور وہ جوہر قابل بنا دیا جس کو وقت کے تمام جوہریوں اور ہیرے موتی سجانے والے، فطرت انسانی کو نکھارنے والے اللہ تعالیٰ سے بندۂ خاکی کا تعلق قائم کرنے والے بزرگوں نے اپنی عنایات و توجہات کا مرکز بنا دیا، اصل چیز وہ جوہر تھا جس نے ان جوہریوں کو ان کی طرف متوجہ کیا۔ ہم ان کے تذکرہ میں یہ پڑھ چکے ہیں کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب، امام تبلیغ حضرت دہلوی مولانا محمد الیاس صاحبؒ، بعد کے دور میں مولانا شاہ محمد یعقوب مجددی اور مولانا شاہ وصی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہم کو پہلی ملاقات میں ان کا جوہر نظر آ گیا، اور برسوں کے آنے جانے والوں کے درمیان مولاناؒ کی شخصیت بزرگوں کی قریب ترین شخصیت بن گئی، اس کا سبب

وہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسمٰعیل کو آداب فرزندی

یہ آداب فرزندی خود ان کی والدہ نے ودیعت کیا تھا، بڑے بھائی نے اس کی تربیت کی تھی، پھر وہ جہاں گئے ایک گلاب بن کر گئے، اور بزرگوں کی نظرہائے التفات نے ان کے وجود کو کلی سے پھول اور پھول سے گلاب کر دیا۔

مولانا رابع میاں نے یہ باتیں اپنے پاکیزہ اسلوب بیان میں لکھی ہیں، جن کو میں نے اپنے رکیک انداز گفتگو میں منتقل کرنے کی کوشش کی ہے، شخصیت کی تشکیل کے اہم عوامل یہی تھے۔

حضرت مولاناؒ نے ہوش سنبھالنے کے بعد اپنے آپ کو حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان کا ایک فرد پایا، جن کے کارنامے آج بھی اہل ایمان کی رگوں میں محبت، اللہ کی طرف یکسوئی، انابت اور جان دینے کی تمنا پیدا کرتے ہیں، مولاناؒ نے یہ صفات وراثت میں پائیں، تبلیغ و دعوت کا سیدھا سادہ طریقہ جوریا اور نمائش کے کاموں سے دور، بادشاہ اور مزدور دونوں کی رعایت منظور تھی۔

انہوں نے ملک سعود اور ملک فیصل کو مخاطب کیا، اور پاکستان کے صدر ضیاء الحق کو بھی، اور اردن کے شاہ عبداللہ کو بھی، اور مراکش کے شاہ حسن کو بھی، اور لکھنؤ کے دیہی علاقوں کے باشندوں کو بھی دعوت دی، اور ہر ایک کے قد و قامت کو دیکھتے ہوئے اس کی سمجھ اور قوت ادراک کے مطابق اللہ کا پیام ان کے دلوں میں جاگزیں کرنے کی کوشش کی۔ ان کا طریقۂ کار ہندوستان میں وہی تھا جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کا رہا ہے، اللہ نے جن کو بروقت خبردار کیا تھا، اور جو ہندوستان میں ملت بیضا کے نگہبان تھے، نگہبان تو صرف اللہ تھا، لیکن اس نے اپنے جن بندوں سے یہ خدمت لی اور تعمیر جہاں کے لئے منتخب کیا ان میں مولانا علی میاںؒ بھی یہاں نہیں تو وہاں، دنیا میں نہیں تو آخرت میں، یقینی شمار کئے جائیں گے۔ مولاناؒ نے عملی زندگی میں پہلا قدم دعوت کی سرزمین پر اٹھایا اور اللہ سے وابستگی کی زمین پر رکھا، اور زندگی کی آخری سانس اس وقت لی جب کہ ان کے لبوں پر ﴿فبشره بمغفرة و أجر كريم﴾ کی آیت پاک تھی۔

مولانا کا تعلیمی نظریہ مدرسہ کی چہاردیواری میں بند نہیں تھا، انہوں نے مشرق و مغرب کے پیمانے دیکھے تھے، معیار تعلیم کو پرکھا، جانچا اور ٹٹولا تھا۔ تاریخی اعتبار سے کس میں کن صلاحیتوں کی ضرورت تھی، اس کا مطالعہ وہ کر چکے تھے، اور کس زمانہ میں معیار قابلیت کیا تھا، اور اس زمانہ میں دینی دعوت پیش کرنے والوں کو کن صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانا چاہئے، چنانچہ خود انہوں نے اپنا ایک تعلیمی نصاب تجویز کیا۔ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اس نصاب کی تنفیذ میں دست و بازو بن کر کام کرتے رہے، اس لئے اس موضوع کا بھی حق تھا کہ مولانا رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء اس پر روشنی ڈالیں، یہ کام انہوں نے بہت خوبصورتی سے ان اوراق میں پیش کیا ہے جو آپ کے پیش نظر ہے۔

مولاناؒ کے نزدیک "ادب" الفاظ و ترکیب کی نمائش کا نام نہیں ہے، بقول سید علی طنطاوی مرحوم کے کہ الفاظ و ترکیب کے کیچڑ جو ہمارے نصاب کی کتابوں میں پیش کئے گئے ہیں وہ ادب نہیں ہے، ادب وہ ہے جس کو ایک ہندوستانی عالم شیخ ابوالحسن علی ندوی نے سمجھا اور اس کا نمونہ "قصص النبيين" اور "القراءة الراشدة" اور "مختارات" میں پیش کیا ہے۔ اور جس کے متعلق سید قطب شہیدؒ نے کہا ہے کہ بچوں کے لئے دینی کتابوں کی تصنیف اور تصنیف شدہ کتابوں کا جائزہ لینے کی خدمت میں خود انجام دے چکا ہوں، لیکن حق یہ ہے کہ سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب ان سب پر فائق ہے، اور جس کے متعلق ریاض کے ماہر تعلیم معالی الشیخ عبدالعزیز رفاعی نے کہا ہے کہ میں نے کعب بن مالک رضی اللہ عنہ پر کتاب لکھی، ان کی شاعری کا تجزیہ کیا، لیکن میری نگاہ کو ان کی ادبی جمال کی طرف مائل کرنے کا کام شیخ ابوالحسن علی ندوی نے کیا۔ خاکسار راقم کی نظر میں تو یہ چھوٹی چھوٹی باتیں اس لئے آئیں کہ میں نے مختلف رسالوں میں اور کتابوں میں پڑھا ہے، مگر مولانا رابع حسنی ندوی مجھ سے زیادہ واقف ہیں کہ مولانا کا نظریۂ تعلیم کن خطوط پر مبنی تھا، مولانا رابع حسنی نے لکھا ہے کہ:

"مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے عصری تعلیم رکھنے والے اعزہ کے ذریعہ نیز خود اپنے براہ راست مطالعہ سے یورپ کی برتری کے اسباب سے اچھی واقفیت ہوگئی تھی، اس کی بناء پر مولانا رحمۃ اللہ علیہ مغربی قوموں کی دنیاوی برتری کو ذہنی برتری کا نتیجہ تسلیم نہیں کرتے تھے، ان کی برتری کو ان کے مخصوص علمی و عملی اسباب کا نتیجہ سمجھتے تھے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں اسلام کے عطا کردہ ذہن اور نبوت محمدی کے عطا کردہ طریقۂ عمل کی برتری کا پورا یقین تھا، اور مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال تھا کہ اگر ہم اس طریقۂ عمل کو اختیار کرلیں اور مغربی قوموں کی اجتہاد کردہ اور تجرباتی کوششوں سے حاصل کردہ علمی و عملی تدابیر سے بھی کام لیں جن سے مغربی قوموں نے فائدہ اٹھا کر برتری حاصل کی ہے تو ہم مغربی قوموں سے بہتر مقام و حیثیت حاصل کر سکتے ہیں"۔

مولانا رابع حسنی اس سلسلہ میں مزید لکھتے ہیں:

"مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے ذہن میں تعلیم کے دونوں پہلو تھے، عصری تعلیم کے تعلق سے یہ دیکھنا کہ دینی و عملی زندگی کے لحاظ سے وقت کے لحاظ کیا ہیں ان تقاضوں کے مطابق زندگی کے جو انفرادی اور اجتماعی ہیں ان سے متعلقہ کے مضامین میں ضرورت کے مطابق صلاحیت پیدا کرنا، اور دینی تعلیم کے دائرہ میں اسلام کی فطری اور دینی برتری کو دیگر افکار کے مقابلہ میں بہتر و برتر محسوس کرنا، اور اس کی اس برتری پر اعتماد پیدا کرنا، اور امت کے خیر امت ہونے کی بنیاد پر دعوت کے کام کی صحیح صلاحیت پیدا کرنا تھا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ خیال تھا کہ نئی نسل کی تعلیم و تربیت کا نصاب ایسا بنانا چاہئے جو مذکورہ بالا صلاحیتوں کو پیدا کر سکے، عصری تعلیم کی درس گاہوں کے لئے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا خیال یہ تھا کہ وہاں سماجی اور انسانی علوم کا نصاب مغربی فکر کے حاملین کا تیار کردہ ہے، جن کا عقیدہ خالص مادی اور ملحدانہ نقطۂ نظر کا ہے، یہ امت مسلمہ کی ضرورت اور مزاج سے ہم آہنگ نہیں ہے۔"

مولانا رابع حسنی نے مولاناؒ کے نظریۂ تعلیم کو نہ صرف سمجھا بلکہ اس کو اپنے اندر جذب کرلیا ہے، اور یہی حال مولانا محمد الحسنی مرحوم کا تھا، یہ دونوں اس لحاظ سے ممتاز ہیں کہ انہوں نے صرف معلومات نہیں حاصل کی ہیں، نظریہ کا مطالعہ نہیں کیا ہے، بلکہ نظریہ کو پی لیا ہے، اپنے اندر جذب کرلیا ہے، وہ خود ایسی آنکھ بن گئے ہیں جس سے مولاناؒ دیکھا کرتے تھے، اور یہ ان کے خاندان کی خصوصیت بھی ہے۔

مولاناؒ کی زیر تصنیف کتاب میں جو مقالات پر مشتمل ہے، میرا خیال ہے کہ یہ بات ہر شخص نہیں لکھ سکتا تھا، جب تک کہ اس کو وہی صحبت نہ حاصل ہوئی ہوتی جو مولانا کو اور ان سے پہلے محمد میاں کو حاصل تھی۔

ادب اسلامی کے سلسلہ میں جیسا کہ اوپر لکھا جا چکا صرف یہاں تک محدود نہیں تھی کہ ادب کی کتابوں میں دینی مضامین کا ایک حصہ ہے۔ آج کل عرب ممالک میں خصوصاً سعودی عرب کی وزارت تعلیم کے لئے جو کتابیں تیار کی جاتی ہیں ان میں بڑا جزء قرآن و احادیث کا بھی ہوتا ہے، کئی کئی سورتیں اور متعدد احادیث پڑھائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ اردن نے بھی ثانویہ کی کتابیں سعودی وزارت میں استعمال کردہ قبول کی ہیں۔ مصر تو اس معاملہ میں امامت کا درجہ رکھتا ہے، اور اس کی تیار کردہ کتابیں پورے خلیج اور عرب ممالک میں بلکہ مغربی عرب مراکش، الجزائر، موریتانیا اور لیبیا میں چل رہی تھیں۔ لیبیا نے اس سے ضرور انحراف کیا ہے، اس کا ذکر نہیں، لیکن دوسرے ممالک میں جو ابتدائی اور ثانوی مدارس کے لئے نصاب تیار ہوئے ہیں، ان میں ادب کا حصہ دینیات سے خالی نہیں ہے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا نظریۂ تعلیم مصری نظریۂ تعلیم سے مختلف تھا، وہ ادب میں دین کو اس طرح داخل کرتے جیسے گوندھے ہوئے آٹے میں شکر یا نمک ملا کر ایک کر دیا جائے، وہ ادب کی موجودہ تعریف کو پسند نہیں کرتے تھے، اور عرب ماہرین فن نے جو ان کی تصنیف کردہ کتابوں کو اپنی تصنیف کردہ کتابوں پر ترجیح دی، وہ صرف یہ نہیں تھا کہ وہ اچھے کاغذ پر خوبصورت ٹائٹل کے ساتھ مصور اور رنگین بنا کر پیش کیا گیا ہے، اور عربی کے غریب الفاظ اور پیچیدہ ترکیبوں کو ادب سمجھا جانے لگا، حالانکہ اس سے زیادہ بے ادبی کے نمونے نہیں مل سکتے جو "نفحة اليمن"

(بقیہ صفحہ ......۸ پر)

قرآن اور سائنس

قرآنی آیت جس نے کوسٹو کو صحیح راہ دکھائی

از:........ڈاکٹر نور باقی

﴿مرج البحرین یلتقین بینهما برزخ لا یبغین۔﴾

دو سمندروں کو اس (اللہ) نے چھوڑ رکھا ہے کہ باہم مل جائیں، پھر بھی ان کے درمیان پردہ حائل ہے جس سے وہ تجاوز نہیں کرتے۔

آیت میں دو اہم نکات کو بیان کیا گیا ہے۔

۱۔ دو سمندروں کا تنگ آبنائے Strait کے ذریعے آپس میں ملنا۔ بہر حال یہ معمول کی حالت ہے۔

۲۔ یہ حقیقت کہ دو سمندران کے درمیان ایک خاص قسم کی رکاوٹ کی وجہ سے مکمل طور پر آپس میں نہیں مل جاتے۔

آیئے اس سلسلے میں سب سے پہلے سائنسی خصوصیات کا مطالعہ کریں، فرانسیسی سائنسداں "جیک وی کوسٹو" نے جو سمندر کے اندر پانی میں تحقیقات کیلئے مشہور ہے۔ یہ دریافت کیا کہ بحیرۂ روم Mediterranean بحیرۂ اوقیانوس Atlantic کیمیاوی اور حیاتیات کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ موصوف نے اس حقیقت کو بیان کرنے کیلئے آبنائے جبرالٹر کے نزدیک زیر سمندر تحقیقات کرکے یہ بتایا کہ جبل الطارق کے جنوبی ساحلوں (مراقش) اور شمالی ساحلوں (اسپین) پر بالکل غیر متوقع طور پر میٹھے تازہ پانی کے چشمے ابلتے ہیں یہ سمندری پانیوں میں ہوتے ہیں یہ بہت بڑے چشمے ایک دوسرے کی طرف ۴۵ ڈگری کے زاویہ پر تیزی سے بڑھتے ہوئے ایک ڈیم کی طرح کنگھی کے دندانوں کی شکل اختیار کرلیتے ہیں، اس عمل کی وجہ سے بحیرۂ روم اور بحیرۂ اوقیانوس اندر سے ایک دوسرے میں خلط ملط نہیں ہوتے۔

درحقیقت اس تشخیص کے بعد جب "کوسٹو" Corsrteau کو یہ آیات دکھائی گئیں تو بے حد حیران ہوا اور قرآن کی عظمت کی تعریف کرتے ہوئے مسلمان ہوگیا۔

اس حیران کن آیت کریمہ میں جبل الطارق (جبرالٹر) کی باڑ کو بالکل واضح طور پر بیان کیا گیا ہے۔ اس آبنائے میں دو سمندروں کی رکاوٹ کے اندرونی معانی بھی ہیں۔ وہ کیا ہیں؟ سمندر میں زندہ مخلوق کی تعداد زمین کی نسبت زیادہ ہے، اس میں لاتعداد جسمیے (Organisms) ہیں، اس میں بے تحاشا اقسام کے پودے اور جھاڑیاں ہیں۔ الغرض اللہ کی قدرت کے عظیم شاہکار اس میں موجود ہیں۔ یہ ظاہر ہے کہ مختلف قسم کے جسمیے (جاندار اشیاء) مختلف ماحول میں پائے جاتے ہیں یہ بھی ایک وجہ ہے کہ اللہ کی قدرت سمندروں کو گڈمڈ نہیں ہونے دیتی۔

آج کے نئے علم کی روشنی میں ہم کچھ اور ایسی تفصیلات بھی دیکھیں گے کہ کرۂ ارض پر زندگی کا ظہور کیسے ہوا اور مختلف آیات میں خود زندگی کا وجود کس طرح ظاہر کیا گیا ہے۔ ۱۹ویں صدی کے شروع سے زمین پر زندگی کا سوال سائنسدانوں کیلئے سب سے بڑی دلچسپی بن گیا ہے۔ ابتدا میں نامیاتی ڈھانچوں (Organic Structures) پر تحقیقات کی گئیں تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ جاندار اور غیر جاندار چیزوں میں کیا کیمیاوی فرق ہے، اس علم کیمیا کی ایک شاخ کے طور پر نامیاتی کیمیا (Organic Chemistry) کے علم کا احیاء ہوا۔

ابتدائی نتائج میں یہ پتہ چلا کہ نامیاتی ڈھانچوں Organic Structures میں خاص بات یہ تھی کہ ان میں جوہری کاربن Carbon Atoms منفی برقی بار یعنی Negative Charge کے حامل تھے اگرچہ قدرت کے نظام میں کاربن (۴) کے حساب سے پایا جاتا ہے لیکن نامیاتی یا زندہ چیزوں میں سے یہ (۴)۔ (منفی چار) کا روپ دھار لیتا ہے اور اس طرح ہائیڈروجن کے ساتھ مل کر مرکبات کی ایک زنجیر جیسی بن جاتی ہے۔ بعد میں جاندار خلیوں میں نائیڈروجن کی اہمیت بھی دریافت ہوئی۔ اس کے علاوہ ایسی چیزیں جیسے (Acid Amino) امینو ایسڈ (نامیاتی مرکب) کی دریافت ہوئی جو یقیناً غیر جاندار اشیاء میں موجود نہ تھیں۔

یہ تمام معلومات "آخر جیمز واٹس" (WatsonD. james) کی زندہ چیزوں میں بہت بڑے ڈی این اے کی موجودگی کی دریافت پر منتج ہوئیں۔ یہ معلوم ہوا کہ زندہ چیزوں میں نسلیاتی خواص کے حامل جرثومے اس عظیم ڈی این اے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ بہر حال زندگی کے بنیادی ڈھانچے کی دریافت ہوگئی۔ ۱۹۵۰ء سے نامیاتی ڈھانچوں (Organic Structures) کے مطالعہ پر توجہ بڑھ گئی جس سے یہ دریافت سامنے آئی کہ ڈی این اے میں ہائیڈروجن برق پارے (ions) آپس میں غیر مستقل پلوں کی صورت میں جڑے ہوتے ہیں، اب صرف ایک سوال رہ جاتا ہے اگر تمام اعضاء (Organisms) یعنی گھاس سے لے کر دماغ عصبانیہ (Neurons) ہزاروں دوسرے جرثومے (Bactiria) ایک ہی سالمہ (Molecule) سے تشکیل پاتے ہیں تو پھر زندگی میں اتنی گوناگوں تنوع کیوں ہے؟ اس سوال کا جواب معلوم کرنے کیلئے پہلے پہل سالمہ اور ان جوڑوں کے درمیان تعلق کی طرف توجہ دی گئی مگر یہ تمام کوششیں یہ تک معلوم کرنے میں ناکام ہوگئیں کہ اس فرق کی کیا وجہ ہوسکتی ہے جس کی رو سے ایک خلیہ (Cell) ایک طرف تو صفرا Bile بناتا ہے اور وہی خلیہ آنکھ کی پشت پر روشنی کو برق میں تبدیل کرتا ہے۔

☆☆☆

عالم اسلام

سپر پاور کو صفر پاور بنانے میں بش کا حصہ

از:........ابوالمعظم ندوی

جارج بش جب دوسری بار صدارتی الیکشن میں کھڑے ہوئے تو عالم عربی سے شائع ہونے والے ممتاز روزنامہ "الشرق الاوسط" میں ایک مضمون نگار نے اپنے تمام قارئین سے درخواست کی کہ وہ پورے اخلاص سے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ بش کو اس انتخاب میں کامیابی عطا کرے اور بش کے بعد بھی اللہ تعالیٰ امریکہ پر ایسے ہی لوگوں کو عہدۂ صدارت عطا فرمائے جو بش جیسی صفات وصلاحیت کے حامل ہوں تاکہ پوری دنیا کو سپر پاور سے نجات مل جائے، مضمون نگار نے اس بات پر بڑی مسرت ظاہر کی تھی کہ سپر پاور کو صفر پاور بنانے اور متحدہ امریکہ کو توڑنے کا مبارک کام جس طرح بش انجام دے رہے ہیں وہ پوری انسانیت کیلئے عموماً اور مسلم دنیا کے لئے خصوصاً باعث اطمینان و قابل شکر ہے، ہم سب کو مل کر دعا کرنی چاہئے کہ بش کی عمر میں برکت ہو اور امریکہ کو تباہ کرنے میں ان کو کوئی رکاوٹ نہ ہو۔

مشہور فلسفی اور مورخ علامہ ابن خلدون نے انسانی معاشرہ پر ظلم وسفا کی کے اثرات کا تحلیل وتجزیہ کرتے ہوئے ایک حکایت لکھی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ قدیم زمانہ میں ہندوستان کے ایک مطلق العنان حکمراں کی ظلم وسفا کی وجہ سے ماہرین علم وفن، صنعت کار وکسان ملک چھوڑ کر چلے گئے اور ملک ویران ہوگیا۔ اس زمانہ کا حکمراں بھی آج کے مطلق العنان حکمراں کی طرح تھا کہ کسی طرح کی نصیحت سننے کیلئے تیار نہیں تھا، جو شخص بھی کوئی مشورہ یا رائے دیتا اس کو گوانتانا موجیل میں قید کردیا جاتا۔ بالآخر ایک حکیم و دانا نے بادشاہ کو قریبی درخت پر لڑتے پرندوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بادشاہ کو بتایا کہ الوؤں میں اس بات پر بحث ہورہی ہے کہ شادی کے موقع پر مہر میں کتنی ویران بستیاں دی جائیں، لڑکیوں کی طرف سے پچیس ویران گاؤں کا مطالبہ ہے، جبکہ لڑکے والے کہہ رہے ہیں کہ فی الحال ہم صرف پندرہ ویران گاؤں دیں گے۔ اگر بادشاہ اسی طرح اس ملک پر حکمرانی کرتا رہا تو پچیس کیا پچاس ویران گاؤں دے دیں گے، قدیم دور کا مطلق العنان بادشاہ آج کے مہذب دور کے بش سے کہیں زیادہ سمجھدار تھا، وہ بش کی طرح غبی اور کند ذہن اور صلیبی مزاج اور رمسفیلڈ و ڈک چینی جیسے مشیر نہیں رکھتا تھا۔ بادشاہ حقیقت پسند تھا، اس کے دل کو بات لگ گئی اور اس نے اپنی پالیسی پر نظر ثانی کی اور ظلم وزیادتی کا خاتمہ کردیا اور ملک پہلے کی طرح خوش حالی کا گہوارہ اور امن وامان کا مرکز بن گیا۔

لیکن امریکہ جیسے مہذب اور سپر پاور ملک پر بش جیسے حکمراں کا جائزہ اور تجزیہ کریں گے تو خود مغربی میڈیا اور مغربی دانشوروں نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ بش کے مبارک عہد میں ان جمہوری قدروں کو بڑی بے دردی سے دفن کردیا گیا ہے جن پر امریکی قوم فخر کرتی تھی۔ دوسری طرف بش نے امریکی قوم کی غلط یا صحیح شہرت پر ایسے داغ لگادیئے ہیں جن کو قیامت تک دھویا نہیں جاسکتا ہے سوائے اس کے کہ پوری قوم اسلام قبول کرلے۔

بش نے جس طرح امریکی جمہوریت کو براہ راست اپنے ہاتھوں سے قتل کیا ہے اس نے مشرق و مغرب میں ہنگامہ برپا کردیا ہے، مسلم ممالک تو ایک مدت سے چیخ وپکار کررہے تھے اب مغربی قومیں بھی دہائی دینے لگی ہیں، خود امریکہ میں بھی صدر بش اور ان کی بے لگام پالیسیوں سے عمومی بے زاری اور نفرت کا اظہار کیا جارہا ہے، امریکی کانگریس نے حب الوطنی کے قانون پیٹریاٹ ایکٹ کو ۱۱ رستمبر کے بعد متفقہ طور پر منظور کیا تھا، لیکن جب اس نے دیکھا کہ پوری دنیا میں اس قانون کی وجہ سے امریکہ کی غیر معمولی بدنامی ہورہی ہے، دوسری طرف اندرونی محاذ پر خود امریکیوں کو بھی چار سال سے پریشانی ہورہی ہے اور کروڑوں انسانوں کے ٹیلیفون اور پیغامات کو درمیان میں روکا جارہا ہے۔ محض القاعدہ (فرضی دشمن) کی بو سونگھنے کیلئے بے دریغ لاکھوں ٹیلیفون کالوں اور ای میل کو سی آئی اے اور دوسری ایجنسیاں درمیان میں روک رہی ہیں۔ اس غیر معمولی صورت حال کو دیکھ کر امریکی کانگریس نے اس بدنام زمانہ قانون کی تجدید صرف پانچ ہفتے کیلئے کی اور صدر کا یہ مطالبہ مسترد کردیا کہ سی آئی اے کو اس پابندی سے مستثنیٰ رکھا جائے۔

پیٹریاٹ ایکٹ ایسا کالا قانون ہے جس نے صدر اور نیشنل سیکوریٹی اتھارٹی کو ایسے غیر معمولی اختیارات دے دیئے تھے جن کو استعمال کرکے وہ دہشت گردی کے شبہے پر لوگوں کو گرفتار کرسکتے ہیں۔ لمبی مدت تک مقدمہ چلائے بغیر زیر حراست رکھ سکتے ہیں، اگر مقدمہ چلانے کی نوبت آئے تو ناگزیر قانونی تقاضے کے بہت سے معروف ضابطوں کو نظر انداز بلکہ پامال بھی کرسکتے ہیں، اس کالے قانون پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک امریکی دانشور جوناتھن شیل نے مشہور امریکی رسالہ "نیشن" میں لکھا کہ اس قانون نے امریکی صدر کو آج کا ایسا ایڈمنسٹریٹر بنادیا ہے کہ اگر وہ آمریت کی مکمل تصویر نہ ہو تو بھی اس میں وہ ساری خصوصیات پیدا ہوگئی ہیں جن سے آمریت کا آغاز ہوتا ہے، وہ مزید لکھتا ہے" امریکی تاریخ میں صدارتی

اختیارات کو سب سے زیادہ وسیع پیمانے پر غلط استعمال کرنے والا شخص صدر بش ہے۔" (بحوالہ دی اکنامسٹ۔لندن ۷ر جنوری)

ایک دوسرے صحافی کیرن نولٹی اور مائیک ایلیپو نے اپنے مشترکہ مضمون میں لکھا ہے کہ صدر نکسن کے بعد جس حکومت نے عدالتوں اور قانونی ضابطوں کو نظر انداز کرنے کی سب سے زیادہ کوشش کی ہے وہ یہی حکومت ہے۔ (ٹائم ۹ جنوری ۲۰۰۶ء)

صدر بش نے بڑی صراحت سے کہہ دیا کہ ہم اس قانون کے بغیر ایک لمحہ بھی آگے نہیں چل سکتے۔ بش نے دھمکی بھی دے دی تھی کہ ہم اس ترمیم کو ویٹو کردیں گے لیکن کانگریس نے ان کی تمام اپیلوں کو نظر انداز کرتے ہوئے نو کے مقابلے میں نوے ووٹوں سے منظور کرکے یہ پابندی لگادی کہ تمام امریکی ایجنسیوں کے لئے نہ صرف امریکہ کی سرزمین پر بلکہ دنیا میں کہیں بھی زیر حراست دشمنوں کو ایسے تمام ہتھکنڈوں کا نشانہ بنانا خلاف قانون ہوگا جو ظالمانہ، غیر انسانی اور ذلت آمیز ہوں۔ آخر وقت میں ڈک چینی نے یہ کوشش کی کہ کم از کم سی آئی اے کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا جائے مگر سینٹ نے یہ ماننے سے انکار کردیا۔

بعض اخبارات نے یہ انکشاف کیا کہ صدر بش نے ذاتی طور پر ان کو منع کردیا کہ انسانی حقوق کی پامالی پر تنقید نہ کریں۔ چنانچہ ایک سال تک یہ خبر اخبارات میں نہیں آسکی کہ بش، ڈک چینی اور رمسفیلڈ کی ہدایت پر کس طرح سی آئی اے لاکھوں ٹیلی فون اور ای میل کو روک رہی ہے اور کس طرح قیدیوں کو ابوغریب اور گوانتاناموں میں ٹارچر کیا جارہا ہے۔ بالآخر نیویارک ٹائمس نے ۱۵ر دسمبر ۲۰۰۵ء میں وہ رپورٹ شائع کردی جس نے پوری دنیا میں امریکہ کو بدنام کرکے رکھ دیا۔ خود امریکی اخبارات لکھنے لگے کہ بش نے ایسی حرکتیں کی ہیں جن پر ان سے مواخذہ ہونا چاہئے، اور ان کو کیفر کردار تک پہونچانا چاہئے۔ امریکی سینٹر رابرٹ بائرڈ نے لکھا کہ بش نے وہ لامحدود اختیارات ہتھیا لئے ہیں جو بادشاہوں اور مہاراجاؤں کیلئے مخصوص ہوا کرتے تھے، امریکی کانگریس کے دو ارکان جان لیوس اور جان ڈین نے کہا کہ بش نے جس طرح دستور، قانون اور عدالتی نظام کو پامال کیا ہے اس کی پاداش میں اس کا مواخذہ ہونا چاہئے۔

صرف امریکی شہریوں کے حقوق پر ڈاکہ نہیں ڈالا گیا بلکہ گذشتہ سال ایک دوسرا بڑا اسکینڈل سامنے آیا اس سے معلوم ہوا کہ امریکہ دہشت گردی کے شبہے میں پکڑے جانے والے قیدیوں کو تعزیر کا نشانہ بنانے کیلئے یوروپ و ایشیا میں کم از کم بارہ خفیہ تعذیب خانے چلا رہا ہے۔ گذشتہ دو سال میں ایک ایک ملک میں ایسی دو دو سو پروازیں کی گئیں، جرمنی، آئرلینڈ، اسپین، رومانیہ میں ایسی پروازیں کی گئیں، برطانیہ میں بھی دو سو پروازوں کا ریکارڈ ہے۔ اس سے زیادہ شرمناک بات یہ ہے کہ مصر، افغانستان الجزائر اور مراکش کا کردار بھی بڑا گھناؤنا اور شرمناک ہے۔

لیکن شرم ان کو مگر نہیں آتی

امریکہ جمہوریت اور انسانی حقوق کا علمبردار بنتا ہے مگر اس کا کردار یہ ہے کہ اس نے خود اپنے دستور کی کھلی خلاف ورزی کی۔ اپنی عدالتوں سے رجوع کرنے سے گریز کیا، اپنے زیر انتظام دنیا کے مختلف ممالک میں قید خانے اور تعذیب خانے قائم کئے اور صلیبی جنگ کے ہیرو بنکر مسلمانوں ہی کو نشانہ بنایا۔ ابوغریب کی جیلوں میں جو کچھ امریکہ نے کیا اور جس کے چھ سو واقعات اتنے ہولناک تھے کہ ساری دنیا میں امریکہ کے دوہرے معیار کا بھانڈا پھوٹ گیا اور وہ استبدادی ہتھکنڈے سب کے سب سامنے آگئے جو جمہوریت کا علمبردار استعمال کررہا تھا۔ اس کے علاوہ امریکہ نے فلوجہ میں ۲۰۰۴ء میں سفید فاسفورس کا بے دریغ استعمال کیا جو ایک کیمیائی ہتھیار ہے اور بین الاقوامی قانون کے مطابق انسانیت کے خلاف اس کا استعمال جرم ہے۔

سفید فاسفورس جسے عرف عام میں ڈبلیو پی (WP) کہا جاتا ہے جو کبھی تحلیل ہونے پر اپنے آپ بھڑک اٹھتا ہے اور اس وقت تک خوفناک طریقہ سے جلتا رہتا ہے جب تک کہ آکسیجن ختم نہ ہو جائے اس کے آتشیں ذرات بیرونی کھال پر جم جاتے ہیں، گوشت، ہڈیوں تک کو گلا دیتے ہیں اور انتہائی گہرے کیمیائی زخم پیدا کرتے ہیں جو ہلاکت خیز نہ بھی ہوں مگر شدید تکلیف دہ ہوتے ہیں اور مندمل ہونے میں بڑا وقت لیتے ہیں۔

فلوجہ جہاں صرف جنگجو ہی نہیں عام شہری بھی موجود تھے آتشیں اسلحہ کے استعمال میں امریکہ کی زبردست بدنامی ہوئی، امریکی دانشور جوناتھن نے لکھا کہ ابوغریب میں قیدیوں سے شرمناک سلوک، سمندر پار ممالک میں سی آئی اے کے قید خانوں کا اسکینڈل اور فلوجہ میں سفید فاسفورس کا استعمال درحقیقت ایک ہی تصویر کے مختلف رخ ہیں، یہ اس حکومت کی اخلاقی حس کے فقدان کی عکاسی کرتے ہیں جس نے امریکہ کو دنیا کی نظر میں ایک بدمعاش ریاست بنادیا ہے۔

اس بات کو مشہور دانشور ناعوم چومسکی نے نیوز ویک کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں اس طرح کہا ہے "بش انتظامیہ امریکہ کو دنیا میں سب سے زیادہ خوفناک اور قابل نفرت ملک بنانے میں کامیاب ہوگئی ہے اس باب میں ان لوگوں کی صلاحیت ناقابل یقین ہے۔" (نیوز ویک ۹ جنوری ۲۰۰۶ء)

یوں تو ۱۹۳۶ء سے ۱۹۸۴ء تک امریکہ کے مختلف مقامات پر ٹارچر کے مراکز بڑی تعداد میں قائم تھے ان میں دوسرے ممالک کے فوجیوں اور ایجنسیوں کے لوگوں پر ٹارچر اور ظالمانہ تفتیش کے طور طریقے اور اس جدید ترین طریقے سے سکھائے جاتے تھے لیکن یہ سب خفیہ ہوتا تھا۔ شہنشاہ مطلق بش کے عہد میں چوری کے ساتھ سینہ زوری بھی ہورہی ہے کہ باقاعدہ بڑی بے حیائی سے اس کا اعتراف بھی کیا جاتا ہے اور اس ظلم وسفاکی پر اصرار بھی ہورہا ہے۔ رمسفیلڈ صاحب تو اس کا استعمال ضروری قرار دیتے ہیں بلکہ بش، ڈک چینی اور رمسفیلڈ تینوں مل کر حکم بھی جاری کرتے ہیں............ (آئندہ)

عالم اسلام کی خبریں

از:............محمد وثیق ندوی

سلوفینیا میں پہلی مسجد

پچاس سال کے طویل انتظار کے بعد سلوفینیا کی حکومت نے ملک میں پہلی مسجد کی تعمیر کی اجازت دے دی ہے، پچاس سال پہلے وہاں کے مسلمانوں نے مسجد کی تعمیر کے لئے حکومت کو درخواست دی تھی۔ جو بڑی کوششوں کے بعد منظور ہوئی۔ سلوفینیا وہ تنہا یوروپین ملک ہے جہاں نہ تو کوئی مسجد ہے اور نہ کوئی اسلامک سنٹر وغیرہ۔ سلوفینیا کی ایک مسلم تنظیم جماعت اسلامی کے صدر ابراہیم مالا نوتیش کے مطابق مسلمانوں نے ۱۹۵۵ء میں مسجد کی تعمیر کی اجازت کے لئے درخواست دی تھی۔ حالیہ سالوں میں مسلمانوں نے یوروپین تنظیموں اور ملک کے ارکان پارلیمنٹ کے توسط سے حکومت کو میمورنڈم دیا تھا، جس میں حکومت سے مطالبہ کیا گیا تھا کہ مسلمانوں کو مسجد کے لئے زمین خریدنے کی اور تعمیر کی اجازت دی جائے۔ ابراہیم مالا نوتیش کے مطابق اس اجازت کے حصول میں لیبرل پارٹیوں کے ساتھ ساتھ یوروپین پارلیمنٹ اور مختلف عیسائی اداروں نے بڑا تعاون دیا۔ دوسری طرف سلوفینی مسلم بورڈ اور مقامی میونسپلٹی کے درمیان مسجد کے لئے جگہ کی تعیین کے سلسلے میں گفتگو چل رہی ہے۔ میونسپلٹی غیر آباد علاقے میں جگہ دینا چاہتی ہے۔ جہاں نمازیوں کا پہونچنا مشکل ہے۔ جبکہ بورڈ کا اصرار اس پر ہے کہ آبادی والے علاقے میں مسجد کے لئے جگہ دی جائے۔ سلوفینیا کی حکومت کا یہ قدم تاریخی حیثیت کا حامل ہے، کیونکہ سلوفینیا ہی وہ تنہا ملک ہے جہاں مسلمانوں کو مسجد بنانے کی اجازت نہیں ہے۔

برطانیہ کے مسلمانوں میں دینی تعلیمات پر عمل کرنے کا جذبہ

ایک برطانوی جائزے کے مطابق برطانیہ کے ۸۸ر فیصد مسلمان اسلامی شریعت کے احکامات و قوانین کی روشنی میں زندگی گزارنا پسند کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی بڑی اکثریت کارخانوں اور کام کے دیگر مراکز میں نماز قائم کرنے کے لئے کوشاں ہیں۔ عائلی اور ازدواجی مسائل مثلاً طلاق، وراثت، بچوں کی کفالت، شرعی عدالت کے فیصلوں کو ترجیح دیتے ہیں۔

برطانیہ میں مسلمانوں کی تعداد تقریباً ۱۳ ملین ہے حالیہ جائزے میں ۵۰۰ مسلمان شریک ہوئے ہیں ان میں ۶۱ فیصد شرعی عدالتوں کا قیام چاہتے ہیں۔ اور ۸۸ فیصد کالجوں اور اسکولوں کے مراکز میں اپنے شعائر اختیار کرنا اور نماز قائم کرنا چاہتے ہیں۔

قزاقستان میں مساجد کی طرف رجوع

قزاقستان میں مسلم نوجوانوں میں دینی شعائر اور اسلامی احکامات پر عمل کرنے کا رجحان تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ مسجدوں میں نمازیوں کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے۔ آزادی سے پہلے قزاقستان سوویت یونین کے قبضے میں تھا۔ اور کمیونسٹ نظام کے ماتحت تھا۔ اب سرمایہ دارانہ نظام کا غلبہ اور تسلط ہے۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق قزاقستان کی نصف آبادی دین اسلام پر عمل پیرا ہے۔ آرتھوڈکس روسی آبادی کا چوتھائی حصہ ہیں۔ ملک کی ۱۶ ملین آبادی میں صرف دو لاکھ پچاس ہزار کیتھولک مذہب کو مانتے ہیں۔

ملک کے جنوب میں واقع تاراز شہر کی جامع مسجد میں تقریباً ۳ ہزار نمازی نماز جمعہ ادا کرتے ہیں۔ جن میں اکثریت نوجوانوں کی ہوتی ہے۔ یہ بڑی خوش آئند بات ہے کیونکہ دس پندرہ سال پہلے اس طرح نماز وغیرہ میں شریک ہونا نا کے برابر تھا۔

تاراز شہر کی آبادی ۳۵ ہزار ہے۔ مسجدوں کی تعداد ۲۰ ہے۔ آئندہ سالوں میں مساجد کی تعداد مزید بڑھنے کی توقع ہے۔ کیونکہ شہر کے مختلف مضافات میں مساجد کی تعمیر کا کام شروع ہے۔ مجموعی طور پر قزاقستان میں اسلام کی مقبولیت بڑھ رہی ہے۔ کمیونزم اور سرمایہ دارانہ نظام میں ظلم و جور اور مادیت کی تباہ کاری سے پریشان لوگ چین وسکون امن وراحت اور خوش حال زندگی کے متلاشی ہیں جو صرف اور صرف دین اسلام میں مل سکتی ہے۔

فرانس کے جیلوں میں قبول اسلام

فرانس کی خفیہ ایجنسی نے حکومت کو باخبر کیا ہے کہ جیلوں میں اسلام کے پھیلنے کا خطرہ تیزی سے بڑھ رہا ہے۔ اور جن کو دہشت گردی کے جرم میں گرفتار کیا گیا ہے۔ ان کے ذریعہ لوگ تیزی سے مشرف با اسلام ہورہے ہیں۔ خفیہ ایجنسی نے اپنی رپورٹ میں کہا ہے کہ ۱۷۵ قیدی جیلوں میں اسلام پھیلانے کی کوشش کررہے ہیں۔ ان میں ۷۰ فیصد فرانسیسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ باقی مراکش، ترکی، یوگوسلاویا اور پاکستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ ایجنسی نے کہا ہے کہ باعث قلق و اضطراب امر یہ ہے کہ ۹۹ افراد دہشت گردی کے جرم میں گرفتار کئے گئے ہیں ان میں ایک تہائی دین اسلام کی دعوت دے رہے ہیں۔ اور غیر مسلم قیدیوں کو اسلام سے متعارف کراتے ہیں۔ ان افراد نے جیل میں اسلام قبول کیا اور قبول اسلام کے بعد دعوت اسلام کے عمل میں مصروف ہوگئے۔

☆☆☆

فلسطین میں حماس کی تاریخی کامیابی

☆اسرائیل وامریکہ کی بڑھتی ہوئی بے چینی ☆ اقتصادی پابندیوں کی دھمکی

☆عرب اور مسلم ممالک کی ذمہ داری

از.................سلمان نسیم ندوی

۱۹۸۷ء میں فلسطین کی سرزمین پر غاصبانہ قبضہ کے خلاف ایک منظم جدوجہد کا سلسلہ شروع ہوا جس کو "حرکة المقاومة الاسلامية" مخفف "حماس" کا نام دیا گیا۔اس کے بانی ورہنما شیخ یٰسین ۱۹۵۹ء میں ایک حادثہ میں جسمانی طور پر مفلوج اور شل ہو گئے تھے،لیکن وہ ایک آہنی چٹان ثابت ہوئے۔تنظیم اوراس کے کارکنوں میں جوروح وہ پھونک کر گئے اس کا نتیجہ آج سیاسی اسٹیج پر حماس کی تاریخی کامیابی کی صورت میں نظر آرہا ہے۔ درحقیقت شیخ یٰسین کی زندگی نے ثابت کر دیا کی معذوری کوئی معصیت نہیں بلکہ وہ ایک چیلنج ہے،جو اس چیلنج کو قبول کرتا ہے اور مشکل سے مشکل ترین حالات کے سامنے سپر نہیں ڈالتا وہی تاریخ سازی کا کام انجام دیتا ہے۔

حماس کی اس کامیابی پر مشرق وسطی میں مختلف قسم کے حالات وواقعات ابھر کر سامنے آئے ہیں۔ ایک بات یہ کہی جارہی ہے کہ عالمی برادری اور خصوصا اسرائیل کوحماس کی اس تاریخ ساز کامیابی کی ہرگز توقع نہیں تھی،اسرائیل کو چھوڑ کر دوسرے ممالک کے حق میں تو یہ بات تسلیم کی جاسکتی ہے لیکن جس طرح اسرائیل ایک عرصہ سے اس کوشش میں تھا کہ عالمی برادری اس تنظیم کو دہشت گرد تسلیم کرلے اور اس کو انتخابات میں شرکت کا موقع ہی نہ دیا جائے،یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسرائیل کوحماس کی اس قوت ومقبولیت کا اندازہ بہت پہلے ہو چکا تھا۔

یوروپ اور مشرقی ممالک میں ایک بحث ،حماس کے اس بھاری اکثریت کے ساتھ کامیابی کے اسباب وعوامل سے پردہ اٹھانے کی چھڑی ہوی ہے،ظن وتخمین اور قیاس آرائی کا بازار گرم ہے۔بعضے "الفتح" میں پرانی اورنئی قیادت کے جھگڑے،نیز "الفتح" کی اعلی قیادت میں "اخلاقی بحران" اور بدعنوانی کے الزام کو کامیابی کا راز قرار دے رہے ہیں، جب کے دوسرے لوگ حماس کی اس مقبولیت کو سماجی خدمات،کھرے کردار،محنت واخلاص،اہلیت وقابلیت اوراعلی درجے کے نظم وضبط کا صلہ قرار دے رہے ہیں،اگر حقیقت پسندانہ جائزہ لیا جائے تو یہ اسباب وعوامل بالکل سطحی نظر آتے ہیں۔جہاں تک قیادت اور نظم وضبط کا تعلق ہے تو یکے بعد دیگرے تنظیم کے بانی وروحانی رہنما شیخ یٰسین اور پھر مرد آہن عبدالعزیز رنتیسی کا قتل اور اس سے بھی پہلے حماس کے تین چوٹی کے قائد شیخ صلاح شحادہ،دکتور ابراہیم اور مہندس اسماعیل ابوشنب کی شہادت حماس کی قیادت کے تاروپود بکھیر دینے لئے کافی تھی۔دشمنوں کا منشا بھی یہی تھا۔مسلم حلقوں میں بھی شدت سے یہ سوال اٹھ رہا تھا کہ حماس کا مستقبل کیا ہوگا؟۔لیکن ایسا کیوں نہیں ہوا؟رہا سماجی ورفاہی خدمات اور اعلی کردار تو جس طرح سے اسرئیل وامریکہ ایک عرصہ سے خطہ میں اپنے کرائے کے ٹٹوؤوں سے فلسطینی عوام کو ورغلانے کا "مہذب اغوا" کا کام لیتا رہا ہے،اور عالمی سطح پر تنظیم کو بدنام کرنے،اُسپر عوامی اعتماد کو متزلزل کرنے اور تنظیم کو دہشت گرد تسلیم کرواکر مجرم کے کٹہرے میں کھڑا کروانے کی کوشش کی ہے،عالمی سیاست اور قوموں میں تبدیلی وتغیر اور تحریکات پر جن کی نگاہ ہے وہ سمجھ سکتے ہیں کہ اس طرح کی ادنی کوشش بھی کسی تنظیم کی ساکھ کو کتنا نقصان پہونچا سکتی ہے۔لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ زمین فلسطین پر دشمنوں کا یہ خطرناک حربہ ناکام ثابت ہوا،آخر کیوں؟

اس کا جواب تنظیم حماس کے نظریاتی ڈھانچے میں پوشیدہ ہے۔اس کی بنیاد اور منبع وماخذ اسلام ہے،اس کی تحریکی اور اسلامی بنیادیں بہت گہری ہیں،اس قیادت کی اولین ترجیح "**قضية المسلمين،فلسطين**" ہے،اوراس مسئلہ کے حل کے لئے سابقہ تجربات کی روشنی میں نہ وہ زبانی جمع خرچ والے معاہدوں پر یقین رکھتی ہے اور نہ مرحوم یاسر عرفات اور دیگر تنظیموں ورہنماؤوں کی طرح فلسطینی مسئلہ کو "فلسطینی نیشنل ازم" یا "عرب نیشنل ازم" کی عینک سے دیکھتی ہے، بلکہ اس کو اسلام اور مسلمانوں کا ایسا اجتماعی مسئلہ سمجھتی ہے جو فوری حل اور توجہ کا مستحق ہے۔

۱۹۸۸ء میں حماس نے ایک چارٹر ترتیب دیا،اس چارٹر کی بنیادی شقیں یہ تھی:

☆اسرائیل کو عروج حاصل ہوگا اور وہ قائم رہیگا تاوقتیکہ اسلام اس کا خاتمہ کردے جیسا کہ اس نے اس کے پیشرؤوں کا خاتمہ کیا ہے۔

☆اسلامی تحریک مزاحمت کا اس بات پر پختہ یقین ہے کہ ارض فلسطین موقوفہ زمین ہے،قرن ہا قرن سے اس کی یہی حیثیت رہی ہے اور تا قیامت برقرار رہے گی۔کسی کو بھی اس سے جزدی یا کلی طور پر دستبردار ہونے کا حق نہیں۔

☆مسئلہ فلسطین کا واحد حل جہاد ہے، امن مذاکرات، تجاویز، بین الاقوامی کانفرنسوں کا انعقاد وقت ضائع کرنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے،صیہونی توسیع پسندانہ عزائم کی کوئی انتہا نہیں ہے،فلسطین کے بعد نیل سے فرات تک وہ قابض ہونا چاہتے ہیں،جس پر ایک بار ان کا ہاتھ پڑ جاتا ہے وہ اسے ہضم کرہی کے چین لیتے ہیں اور پھر آگے بڑھتے ہیں۔

تنظیم حماس نے انہیں بنیادوں پر اپنی جدوجہد کا آغاز کیا،اور انہیں بنیادوں نے اس کو عوامی مقبولیت کا تاج پہنایا،اس لئے کہ فلسطینی عوام کو گذشتہ پانچ دہائیوں سے اس کا بخوبی اندازہ ہو چکا تھا کہ ان کا دشمن معاہدوں کی زبان نہیں سمجھتا،وہ اسی زبان کو سمجھنے کا عادی ہے جس زبان میں تنظیم حماس ان سے بات کرتی ہے،اوراس کا ایک چھوٹا نمونہ غزہ پٹی سے انخلاء ہے۔

تنظیم نے اسی کے ساتھ ساتھ فلسطین کے مظلوم اور محروم حقوق مسلمانوں کی ترقی کی خاطر اسکولز ،روزگار کی فراہمی کے مواقع،شفاخانوں کے قیام کی طرف پوری توجہ دی، تنظیم ان رفاہی کاموں میں ایک اندازہ کہ مطابق سالانہ ۷رکروڑ ڈالرخرچ کرتی تھی اور پھر چند سالوں میں حماس کا نام فلسطین میں ایک ایسی تنظیم کے طور پر ابھرا جس پر ان کے دشمن بھی کرپشن یا بدیانتی کا الزام نہیں لگا سکتے تھے۔ان کے چاہنے والے اور ان کی راہ پر چلنے والے یونورسٹیوں، ٹریڈ یونینوں، کاروباری اداروں، ڈاکٹروں، انجنیئروں،اور وکیلوں کی انجمن میں اس قدر بڑھے کہ کسی بھی ایسی تنظیم میں کوئی اور گروہ جیت کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔حماس کی یہ کامیابی درحقیقت مشرق وسطی میں اسرائیل اور امریکی پالیسیوں کی ناکامی ہے۔

حماس کی مقبولیت کا ایک اور ناقابل تسخیر محرک،جو ظاہر بیں نگاہوں سے مستور ہے شیخ یٰسین، عبدالعزیز رنتیسی اور دوسرے قائدین کی شہادت ہے،دراصل اسرائیل کے اس اقدام نے فلسطینیوں کے دلوں میں تنظیم سے ربط وتعلق،وابستگی ومحبت میں حیرت انگیز اضافہ کر دیا تحریکوں اور انقلابات کی دنیا میں اس قسم کے واقعات نئے نہیں ہیں،لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ اسرائیل نے یہ قدم کیوں اٹھایا؟لیکن اب اسرائیل اپنی پے بہ پے شکست کے بعد اس ادھیڑ بن میں ہوگا کہ کس طرح وہ اس تنظیم کو لگام دینے میں کامیاب ہوسکیگا؟

اطلاعات کے مطابق اسرائیل اور امریکہ ابھی تک اس کے لئے کئی کوشش کر چکے ہیں۔لیکن ناکامی پر پچھتانے کے ساتھ ساتھ جھلائے بھی،پہلی کوشش تو یہ کی گئی کہ حماس اسرائیل کے وجود کو نہ صرف تسلیم کرلے بلکہ غیر مسلح ہونے کا بھی اعلان کرے،ورنہ اسرائیل سے اس کو جو امداد دی جاتی ہے وہ بند کردی جائیگی،ہمیں اتنا اندازہ نہیں تھا کہ اسرئیلی قیادت اسقدر غبی،اور کمزور یادداشت کی مالک ہوگی کہ اس کو یاد نہیں کہ جو قوم اپنے مشن کو پانے کے لئے ابھی تک اپنے لخت جگر قربان کرتی آرہی ہے،جن بچوں نے یتیمی، عورتوں نے بیوگی،شہریوں نے جلا وطنی، بوڑھوں نے بے کسی، کمزوروں نے لاچاری وفقر ومحتاجگی کو اس راہ میں اپنے لئے سرمایۂ افتخار سمجھا ہے وہ اس کی اس دھمکی کو کیا اہمیت دے سکتے ہیں۔

امریکہ نے نہ صرف بنفس نفیس حماس کو قیادت سے محروم کرنے کی کوشش کی بلکہ ایک طرف عالم اسلام اور دوسری طرف یورپین ممالک پر یہ دباؤ ڈالا کہ وہ حماس کو حکومت سازی سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کرے، لیکن اپنی عادت کے مطابق اس میدان میں بھی اس کو منہ کی کھانی پڑی، جمہوریت کے علمبردار کی دوہری پالیسی سے تو تقریبا ہر طبقہ واقف ہو چکا ہے لیکن پھر بھی لکھنے کو طبیعت چاہتی ہے کہ جس جمہوریت کی بحالی کیلئے علمبردار محترم نے افغانستان کی سرزمین کو لالہ زار بنایا اور عراق میں ہزاروں جانوں کا خون پینے کہ باوجود ابھی کوشش جاری ہے، وہی جمہوریت فلسطین میں قائم ہونے پر ان کو اتنی تشویش کیوں ہے؟ یا تو یہ ہوسکتا ہے کہ علمبردار محترم کی استعماری یا ڈراکولائی طبیعت کو اس قدر آسان جمہوریت کا حصول پسند نہیں آرہا ہے،وہ ڈراکولا ہی کیسا جو لہو پیئے بغیر شکار کو نکل جانے دے؟ یا پھر امریکہ کو برسرعام اس کا اعلان کردینا چاہئے کہ جمہوریت سے مراد عوام کی پسندیدہ حکومت نہیں بلکہ اس کی پسندیدہ اور کارآمد حکومت ہے۔

امریکہ اوراس کے حواری کا اس تنظیم پر یہ الزام ہے کہ وہ معاملہ کا حل ہتھیار کے ذریعہ چاہتی ہے اور یہ جمہوری آئین کے خلاف ہے،اگر اپنے حق کو چھیننے اور ظلم وتشدد کا جواب دینے کے لئے ہتھیار کا استعمال جمہوری آئین کے خلاف ہے تو نام نہاد جمہوریت کی بحالی کے لئے صرف ہتھیار کا استعمال نہیں بلکہ بین الاقوامی قانون میں ممنوعہ ہتھیار کی نہتے قوم پر بارش کو کیا نام دیا جائے؟

؎ جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

واقعہ یہ ہے کہ معاہدات اور امن روڈ میپ کے نام پر فلسطین اور فلسطینی عوام کے جذبات اور حقوق کا مذاق اڑایا گیا ہے،سابقہ تمام معاہدات اور کوششوں کو نظر انداز کرتے ہوئے اگر صرف ۲۰۰۵ اور ۲۰۰۶ کی کارروائیوں کا جائزہ لیا جائے تو اس حقیقت کا اندازہ ہو جائیگا۔ فلسطین کا مسئلہ ۲۰۰۵ء میں مفاہمت کی جانب گامزن ہوتا دکھائی دیا۔لیکن ساتھ ساتھ اسرائیلی دہشت گردی بھی جاری رہی۔ مصر کے شہر شرم الشیخ میں تنظیم آزادی فلسطین کے چیر مین محمود عباس اور اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون کے درمیان مذاکرات ہوئے۔یہ مذاکرات گمشدہ فلسطین کی زندہ علامت یاسر عرفات کے سانحۂ ارتحال کے بعد نئی قیادت کا پہلا تجربہ تھے،جس میں دونوں فریق جنگ بندی پر متفق ہو گئے ۔اسرائیل نے عہد کیا کہ وہ فوجی آپریشن بند کرنے

تعمیر حیات ۔ ۲۵ فروری ۲۰۰۶ء

کے علاوہ سیکڑوں فلسطینیوں کو بھی رہا کردے گا جس سے خطے میں قیام امن کے لئے کوششوں کے ایک نئے دور کا آغاز ہونے کی امید بندھی۔ مصر کے صدر حسنی مبارک کی شبانہ روز کاوشوں کے نتیجے میں یہ معاہدہ سامنے آیا جس پر کاغذی عمل درآمد کے بعد فلسطینیوں پر برستے بادل نہ تھمے، البتہ مصر اور اردن نے چار سال سے اسرئیل کے ساتھ اپنے منقطع سفارتی تعلقات کی بحالی کا اعلان کردیا۔ اب اس معاہدے کو معاہدۂ امن کہا جائے یا پھر تجدید تعلقات کی گزرگاہ وراہ داری۔ اس کا جواب قارئین خود تلاش کریں۔ اس معاہدے کے بعد یکم مارچ ۲۰۰۵ء میں برطانیہ کے شہر لندن میں ہونے والی بین الاقوامی کانفرنس بھی ہوئی جس میں ۲۳ ملکوں کے نمائندہ کے ساتھ ساتھ اقوام متحدہ کے سیکریٹری جنرل کوفی عنان نے بھی شرکت کی۔ اس کانفرنس میں فلسطین میں تنظیم آزادی فلسطین کے چیرمین محمود عباس کی قیادت کی کامیابی کو بھی سراہا گیا، ساتھ ساتھ داخلی اختلافات کے باوجود امریکا، برطانیہ اور بعض عرب ممالک کی طرف سے اظہار اطمینان کیا گیا اور اعتدال پسند قیادت کے برسراقتدار ہونے کو علاقے میں قیام امن کے لئے نیک فال قرار دیا گیا۔ لیکن اسکے باوجود ان سے مطالبات وہی کیے گئے جو اس سے قبل یاسر عرفات سے کیے جاتے رہے تھے یعنی لندن کانفرنس بھی فلسطینی تاریخ کے معاہداتی عمل میں صرف ایک اضافہ ثابت ہوئی۔ تمام عالمی دباؤ اور داخلی سیاسی انتشار کے باعث اسرائیل نے ۱۴ اور ۱۵ اگست کی درمیانی شب غزہ کی پٹی سے یہودی آبادکاروں کا انخلاء شروع کیا جس سے داخلی طور پر اسرئیل میں شدید جذبات پائے گئے۔ نہ صرف دائیں بازو کے سیاسی جماعتیں بلکہ اسرائیل کی حکمراں جماعت لیکوڈ پارٹی بھی انتشار کا شکار ہوئی۔ غزہ سے یہودی آبادی کے انخلاء کو غیر سود مند تو نہیں کہا جاسکتا مگر چار دہائیاں گزرنے کے بعد اب بھی غزہ سمیت نصف سے زائد فلسطین اسرئیل کے قبضہ میں ہے۔ یہ ہے ابھی تک معاہدات اور امن روڈ میپ کی فتوحات، راقم سطور نے مئی ۲۰۰۵ء میں "کیا مشرق وسطی قیام امن کی طرف پیش قدمی کر رہا ہے؟" کے عنوان سے ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا تھا جس میں یہ بات لکھی گئی تھی کہ:

"خلاصہ یہ ہے کہ فلسطین کی سرزمین منصوبوں اور معاہدوں کی کھنڈرات میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ یہ منصوبے اور معاہدے کبھی اس نیت سے عمل میں نہیں آئے کہ وہ "قیام امن" کی راہ میں سنگ میل ثابت ہوں اور نہ آئندہ اس کے امکانات نظر آرہے ہیں۔ آج ان معاہدوں اور منصوبوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ حماس، حزب اللہ اور الاقصی بریگیڈ نامی تنظیموں کا خاتمہ یا غیر مسلح کردیا جائے۔ قرآن نے بہت پہلے کہا تھا: ﴿ودّ الذين كفروا لو تغفلون عن أسلحتكم وأمتعتكم فيميلون عليكم ميلة واحدة﴾ کافروں کی تو خواہش ہے کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے ذرا غافل ہو جاؤ تو یہ لوگ تمہارے اوپر یکبارگی ہی ٹوٹ پڑیں۔"

اس وقت عالم اسلام کہ کاندھوں پر بڑی نازک ذمہ داری آپڑی ہے کہ وہ کس طرح حماس کی اس کامیابی کو زیادہ سے زیادہ موثر اور مفید بنا سکتا ہے۔ جب کہ پابندیاں عائد کرنے کی دھمکیاں دی جارہیں اور اس کے امکانات بھی ہیں، اس موقع پر حماس کی قیادت نے عرب اور مسلم ممالک سے جن توقعات کا اظہار کیا ہے اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ ان توقعات پر پورا اترنے میں کسی تساہلی کا مظاہرہ نہ کریں۔ بالخصوص تیل کی دولت سے مالا مال عرب ممالک کو حماس کی مالی اعانت میں فراخدلی کا مظاہرہ کرتے ہوے اسے ہر قسم کی مشروط امریکی امداد سے نجات دلانے میں اپنا کردار ادا کرنا چاہئے۔ اس لئے کہ فلسطین میں آزاد ریاست کا قیام صیہونیت کے عزائم کو ناکام بنانے کی طرف بڑھتا ہوا ایک قدم ہے۔ سہ روزہ دعوت نے بالکل صحیح تجزیہ کیا ہے:

"دراصل یہ ایک طرف اعصاب کی جنگ ہے، دوسری طرف ایمان کی آزمائش ہے، جہاں اس سیاسی تبدیلی نے صیہونی لیڈروں اور صیہونیت کے حامیوں بلکہ کارپردازوں کو سخت دباؤ کی حالت میں پہنچادیا ہے وہیں اہل ایمان کو بھی سخت آزمائش سے دوچار کردیا ہے، صیہونیت اس وقت زبردست ذہنی انتشار کا شکار ہے، گزشتہ دوسو سال کی مسلسل کوششوں کے باوجود وہ اسلام کی طاقت کا خاتمہ نہیں کرسکی ہے، اس میں مزاحمت کی قوت اب بھی نہ صرف باقی ہے بلکہ اسے تازگی وتوانائی مل رہی ہے، اہل ایمان کا ظاہری خسارہ اس کے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے کہ ان کی جانیں ضائع ہورہی ہیں وہ پہلے بھی ہورہی تھیں، مال سے وہ پہلے ہی محروم کئے جاچکے تھے اس لئے ان کے نقطۂ نظر سے گھاٹا کچھ بھی نہیں ہے اور صیہونیت ان سے اس سے زیادہ اور کچھ چھین بھی نہیں سکتی۔ سوسال کے تجربے سے اس کو اس کا یقین ہوچکا ہے کہ وہ اسلام اور اسلام پسندوں کو مٹا نہیں سکتی، یہ اس کے بس میں نہیں ہے، لہذا اب اس کا مسئلہ پرامن بقائے باہم خریدنا ہے، یہ کام بھی آسان نظر نہیں آرہا ہے، صیہونیت کے جو اصل عزائم تھے اس کا خواب دیکھتے دیکھتے کئی نسلیں دنیا سے رخصت ہوچکی ہیں اور اب جو نسل موجود ہے وہ یہ دیکھ رہی ہے کہ وہ اپنے غصب کردہ گھر میں بھی سکون سے نہیں ہے، اور یہ صورت اس وقت ہے جب پوری دنیا ان کے ساتھ ہے، قوت وطاقت ان کے پاس ہے اور مزاحمت ان کی طرف سے ہورہی ہے جو نہتے ہی نہیں بلکہ درحقیقت بے سہارا بھی ہیں، اس نے صیہونیت کو ذہنی طور پر توڑ کر رکھ دیا ہے، اب اس پر بوکھلاہٹ سوار ہے اور یہ کیفیت جنون کی کیفیت ہوتی ہے جس میں مبتلا شخص کچھ بھی کرسکتا ہے، اہل ایمان کو اسی کا مقابلہ کرنا ہے۔"

☆☆☆

خواتین کا طریقۂ نماز

از : ....مفتی عبدالرؤف سکھروی

پاکستان کے معروف عالم دین مفتی عبدالرؤف سکھروی نے "خواتین کا طریقۂ نماز" کے عنوان سے ایک مفید اور جامع رسالہ مرتب کیا ہے۔ ذیل میں افادۂ عام کے لئے اسی رسالہ کا آخری حصہ شائع کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

خواتین نماز پڑھتے وقت یہ باتیں یاد رکھیں اور ان پر عمل کا اطمینان بھی کرلیں

۱۔ آپ کا رخ قبلہ کی طرف ہونا ضروری ہے۔

۲۔ آپ کو سیدھا کھڑا ہونا چاہئے اور آپ کی نظر سجدے کی جگہ پر ہونی چاہئے، گردن کو جھکا کر ٹھوڑی سینے سے لگا لینا مکروہ ہے، اور بلاوجہ سینے کا جھکا کر کھڑا ہونا بھی درست نہیں لہذا اس طرح سیدھی کھڑی ہوں کہ نظر سجدے کی جگہ پر رہے۔

۳۔ آپ کے پاؤں کی انگلیوں کا رخ بھی قبلے کی جانب رہے اور دونوں پاؤں سیدھے قبلہ رخ رہیں (پاؤں کو دائیں بائیں ترچھا رکھنا خلاف سنت ہے) دونوں پاؤں قبلہ رخ ہونے چاہئیں۔

۴۔ دونوں پاؤں کے درمیان کم از کم چار انگلی کا فاصلہ رکھنا چاہئے۔ (امداد الاحکام)

۵۔ خواتین کسی موٹی اور بڑی چادر سے اپنے سارے جسم کو اچھی طرح ڈھانپ لیں جس میں سر، سینہ، بازو، باہیں، پنڈلیاں، مونڈھے، گردن وغیرہ سب ڈھکے رہیں، ہاں اگر چہرہ یا قدم یا گٹوں تک ہاتھ کھلے رہیں تو نماز ہوجائے گی کیونکہ یہ تینوں چیزیں ستر سے مستثنیٰ ہیں اور اگر یہ بھی ڈھکی رہیں تب بھی نماز ہوجائے گی۔

۶۔ نماز کیلئے ایسا باریک دوپٹہ استعمال کرنا جس میں سر، گردن، حلق اور حلق کے نیچے کا بہت سا حصہ نظر آتا رہے، اسی طرح بازو، کہنیاں اور کلائیان نہ چھپیں یا پنڈلیاں کھلی رہیں تو ایسی صورت میں نماز بالکل نہیں ہوگی، لہٰذا نماز کے وقت سارے جسم کو چھپانے کا خاص اہتمام کریں اس مقصد کیلئے موٹا دوپٹہ استعمال کریں۔

۷۔ اگر نماز کے دوران چہرے، ہاتھ اور پاؤں کے سوا جسم کا کوئی عضو بھی چوتھائی کے برابر اتنی دیر کھلا رہ گیا جس میں تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہا جاسکے تو نماز ہی نہیں ہوگی اور اس کے کم کھلا رہ گیا تو نماز ہوجائے گی مگر گناہ ہوگا۔

۸۔ ایسے کپڑے پہن کر نماز میں کھڑی ہونا مکروہ ہے جنہیں پہن کر انسان لوگوں کے سامنے نہ جاتا ہو۔

نماز شروع کرتے وقت

۱۔ دل میں نیت کرلیں کہ میں فلاں نماز پڑھ رہی ہوں زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہیں۔

۲۔ دونوں ہاتھ قریب لایا جائے۔ دوپٹے سے باہر نکالے بغیر کندھوں تک اس طرح اٹھائیں کہ ہتھیلیوں کا رخ قبلہ کی طرف ہو اور انگلیاں اوپر کی طرف سیدھی ہوں، خواتین کانوں تک ہاتھ نہ اٹھائیں۔

۳۔ مذکورہ بالا طریقہ پر ہاتھ اٹھاتے وقت، اللہ اکبر کہیں۔ دونوں ہاتھ سینے پر بغیر حلقہ بنائے اس طرح رکھیں کہ داہنے ہاتھ کی ہتھیلی بائیں ہاتھ کی پشت پر آجائے، خواتین کو مردوں کی طرح ناف پر ہاتھ نہ باندھنے چاہئیں۔

کھڑے ہونے کی حالت میں

۱۔ اکیلے نماز پڑھنے کی حالت میں پہلی رکعت میں پہلے "سبحنك اللهم" آخر تک پڑھیں، اس کے بعد "اعوذ بالله من الشيطان الرجيم" پڑھیں اس کے بعد "بسم الله الرحمن الرحيم" پڑھیں اس کے بعد سورۂ فاتحہ پڑھیں اور جب "ولا الضالين" کہیں اس کے بعد فوراً آمین کہیں اس کے بعد بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھ کر کوئی سورت پڑھیں یا کہیں سے بھی تین آیتیں پڑھیں۔

۲۔ اگر اتفاقاً امام کے پیچھے ہوں تو صرف سبحنك اللهم پڑھ کر خاموش ہوجائیں اور امام کی قرأت کو دھیان لگا کر سنیں اگر امام زور سے نہ پڑھ رہا ہو تو زبان ہلائے بغیر دل ہی دل میں سورۂ فاتحہ کا دھیان کئے رکھیں۔

۳۔ جب خود قرأت کررہی ہوں تو سورۂ فاتحہ پڑھتے وقت بہتر یہ ہے کہ ہر آیت پر رک کر سانس توڑیں، پھر دوسری آیت پڑھیں، کئی کئی آیتیں ایک سانس میں نہ پڑھیں۔ مثلاً ﴿الحمد الله رب العالمين﴾ پر سانس توڑدیں پھر ﴿الرحمن الرحيم﴾ پر پھر ملك يوم الدين پر، اسی طرح پوری پوری سورۂ فاتحہ پڑھیں لیکن اس کے بعد کی قرأت میں ایک سانس میں ایک سے زیادہ آیتیں بھی پڑھ لیں تو کوئی حرج نہیں اور خواتین کو ہر نماز میں الحمد شریف اور سورۃ وغیرہ ساری چیزیں آہستہ پڑھنی چاہئیں۔ (بہشتی زیور)

۴۔ بغیر کسی ضرورت کے جسم کے کسی حصہ کو

حرکت نہ دیں، جتنے سکون کے ساتھ کھڑی ہوں اتنا ہی بہتر ہے اگر کھجلی وغیرہ کی ضرورت ہو تو صرف ایک ہاتھ استعمال کریں اور وہ بھی سخت ضرورت کے وقت اور کم سے کم۔

۵۔ جسم کا سارا زور ایک پاؤں پر دے کر دوسرے پاؤں کو اس طرح چھوڑ دینا کہ اس میں خم آجائے نماز کے ادب کے خلاف ہے اس سے پرہیز کریں، یا تو دونوں پاؤں پر برابر زور دیں یا ایک پاؤں پر زور دیں تو اس طرح کہ دوسرے پاؤں میں خم پیدا نہ ہو۔

۶۔ جمائی آنے لگے تو اس کو روکنے کی پوری کوشش کریں۔

۷۔ کھڑے ہونے کی حالت میں نظریں سجدہ کی جگہ پر رکھیں، ادھر اُدھر یا سامنے دیکھنے سے پرہیز کریں۔

رکوع میں

رکوع میں جاتے وقت ان باتوں کا خیال رکھیں:

۱۔ جب قیام سے فراغت ہو جائے تو رکوع کرنے کیلئے اللہ اکبر کہیں جس وقت رکوع کرنے کیلئے جھکیں اسی وقت تکبیر کہنا بھی شروع کردیں اور رکوع میں جاتے ہی تکبیر ختم کردیں۔

۲۔ خواتین رکوع میں معمولی جھکیں کہ دونوں ہاتھ گھٹنوں تک پہونچ جائیں مردوں کی طرح خوب اچھی طرح نہ جھکیں۔ (شامی)

۳۔ خواتین گھٹنوں پر ہاتھ کی انگلیاں ملا کر رکھیں مردوں کی طرح کشادہ کرکے گھٹنوں کو نہ پکڑیں اور گھٹنوں کو (ذرا آگے) کو جھکا لیں اور اپنی کہنیاں بھی پہلو سے خوب ملا کر رکھیں۔ (درمختار)

۴۔ کم از کم اتنی دیر رکوع میں رکیں کہ اطمینان سے تین مرتبہ "سبحان ربی العظیم" کہا جاسکے۔

۵۔ رکوع کی حالت میں نظریں پاؤں کی طرف ہونی چاہئیں۔

۶۔ دونوں پاؤں پر زور برابر رہنا چاہئے اور دونوں پاؤں کے ٹخنے ایک دوسرے کے قریب رہنے چاہئیں۔

رکوع سے کھڑے ہوتے وقت

۱۔ رکوع سے کھڑے ہوتے وقت اس قدر سیدھی ہو جائیں کہ جسم میں کوئی خم باقی نہ رہے۔

۲۔ اس حالت میں بھی نظر سجدے کی جگہ پر ہونی چاہئے۔

۳۔ بعض خواتین کھڑے ہوتے وقت کھڑی ہونے کے بجائے کھڑے ہونے کا صرف اشارہ کردیتی ہیں اور جسم کے جھکاؤ کی حالت ہی میں سجدے کیلئے چلی جاتی ہیں ان کے ذمہ نماز کا لوٹانا واجب ہو جاتا ہے لہٰذا اس سے سختی کے ساتھ پرہیز کریں جب تک سیدھے ہونے کا اطمینان نہ ہو جائے، سجدے میں نہ جائیں۔

سجدے میں جاتے وقت

سجدے میں جاتے وقت اس طریقہ کا خیال رکھیں کہ:

۱۔ خواتین سینہ آگے کو جھکا کر سجدے میں جائیں، پہلے اپنے گھٹنے زمین پر رکھیں، گھٹنوں کے بعد پہلے ہاتھ زمین پر رکھیں، پھر ناک پھر پیشانی۔

۲۔ سجدے میں خواتین خوب سمٹ کر اور دبک کر اس طرح سجدہ کریں کہ پیٹ رانوں سے بالکل مل جائیں بازو بھی پہلوؤں سے ملے ہوئے ہوں، نیز پاؤں کو کھڑا کرنے کے بجائے انہیں دائیں طرف نکال کر بچھادیں جہاں تک ہوسکے انگلیوں کا رخ قبلہ کی طرف رکھیں۔

۳۔ خواتین کو کہنیوں سمیت پوری بانہیں بھی زمین پر رکھ دینی چاہئیں۔

۴۔ سجدے کی حالت میں کم از کم اتنی دیر گذاریں کہ تین مرتبہ سبحان ربی الاعلیٰ اطمینان کے ساتھ کہہ سکیں، پیشانی ٹیکتے ہی فوراً اٹھا لینا منع ہے۔

دونوں سجدوں کے درمیان

۱۔ ایک سجدے سے اٹھ کر اطمینان سے بیٹھ جائیں، پھر دوسرا سجدہ کریں، ذرا سا سر اٹھا کر سیدھے ہوئے بغیر دوسرا سجدہ کر لینا گناہ ہے اور اس طرح کرنے سے نماز کا لوٹانا واجب ہو جاتا ہے۔

۲۔ خواتین پہلے سجدہ سے اٹھ کر بائیں کولھے پر رکھیں اور دونوں پاؤں دائیں طرف کو نکال دیں اور دائیں پنڈلی کو بائیں پنڈلی پر رکھیں اور دونوں ہاتھ رانوں پر رکھ لیں اور انگلیاں خوب ملا کر رکھیں۔

۳۔ بیٹھنے کے وقت نظریں اپنی گود کی طرف ہونی چاہئیں۔

۴۔ اتنی دیر بیٹھیں کہ اس میں کم از کم ایک مرتبہ سبحان اللہ کہا جاسکے اور اگر اتنی دیر بیٹھیں کہ اس میں اللھم اغفرلی وارحمنی واسترنی واجبرنی واھدلی وارزقنی پڑھا جاسکے تو بہتر ہے لیکن فرض نمازوں میں یہ پڑھنے کی ضرورت نہیں، نفلوں میں پڑھ لینا بہتر ہے۔

دوسرا سجدہ اور اس سے اٹھنا

۱۔ دوسرے سجدے میں بھی اس طرح جائیں کہ پہلے دونوں ہاتھ زمین پر رکھیں پھر ناک، پھر پیشانی۔

۲۔ سجدے کی ہیئت وہی ہونی چاہئے جو پہلے سجدے میں بیان کی گئی۔

۳۔ سجدے سے اٹھتے وقت پہلے پیشانی زمین سے اٹھائیں، پھر ناک، پھر ہاتھ، پھر گھٹنے۔

۴۔ اٹھتے وقت زمین کا سہارا نہ لینا بہتر ہے لیکن اگر جسم بھاری ہو یا بیماری یا بڑھاپے کی وجہ سے مشکل ہو تو سہارا لینا بھی جائز ہے۔

۵۔ اٹھنے کے بعد ہر رکعت کے شروع میں سورۂ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھیں۔

قعدہ میں

۱۔ قعدے میں بیٹھنے کا طریقہ وہی ہوگا جو سجدوں کے بیچ میں بیٹھنے کا ذکر کیا گیا ہے۔

۲۔ التحیات پڑھتے وقت جب اشھد ان لا پر پہونچیں تو شہادت کی انگلی اٹھا کر اشارہ کریں اور الا اللہ پر گرادیں۔

(بقیہ صفحہ.....۱۳.....پر)

ہندو پاک میں اہانت رسول ﷺ پر ردّعمل

از:.........محمد جاوید اختر ندوی

گذشتہ ستمبر میں ڈنمارک کے اخبار میں اہانت رسول ﷺ کی مذموم حرکت پر پوری دنیا میں احتجاج و بائیکاٹ کا سلسلہ جاری ہے۔ ہندو پاک کے مسلمانوں پر بھی یہ خبر بجلی بن کر گری اور انہوں نے فوراً اس پر اپنے ردعمل کا اظہار کیا۔

پاکستان کے شہر پشاور میں تقریباً تین ہزار طلبہ نے مظاہرہ کیا، راولپنڈی میں ہزاروں مسلمانوں نے جلوس نکالا، احتجاجی مظاہروں کے دوران تشدد کی مختلف وارداتوں میں ۵ رافراد کی ہلاکت کے بعد حکومت نے مظاہروں پر پابندی لگادی تھی، لیکن دوسرے ہی دن راجدھانی اسلام آباد میں پابندی توڑتے ہوئے ہزاروں افراد سڑکوں پر نکل آئے، اسی دوران سیکورٹی کی صورت حال خراب ہونے کی وجہ سے ڈنمارک حکومت نے پاکستان سے اپنا سفیر واپس بلا لیا ہے، ادھر لاہور میں مجلس عمل کے صدر قاضی حسین احمد منصورہ میں واقع ان کی رہائش گاہ میں کوئی تیس دن کے لئے نظر بند کردیا گیا ہے، جبکہ پولیس نے گزشتہ دنوں راولپنڈی میں مجلس عمل ہی کے رہنماؤں منور حسن اور حنیف عباس کو بھی گرفتار کرلیا ہے۔

دوسری طرف جمہوری ملک ہندوستان میں ہر طرف احتجاجی جلوس اور عوامی مظاہروں کا غیر مختتم سلسلہ جاری ہے، راجدھانی دہلی، بنگلور، حیدرآباد، کشمیر، لکھنؤ، کانپور، سہارنپور میں مسلمانوں نے جلوس نکال کر مظاہرہ کرتے ہوئے حکومت ہند سے سفارتی تعلقات منقطع کرنے کا پرزور مطالبہ کیا ہے۔

پارلیامنٹ کے راجیہ سبھا اور لوک سبھا میں سیاسی لیڈران نے زبردست احتجاج کیا، وزیر داخلہ شیوراج پاٹل نے کہا کہ کسی مذہب کے قابل احترام شخصیتوں کے خلاف ایسا کچھ بھی نہیں کیا جانا چاہئے جس سے اس مذہب کے ماننے والوں کے دلوں کو ٹھیس پہنچے، قابل ذکر ہے کہ سب سے اہم اور تاریخی مظاہرہ ۱۹ر فروری کو شہر لکھنؤ میں ہوا، ٹیلے والی تاریخی مسجد سے تین کلو میٹر کی دوری تک انسانی سر ہی سر نظر آرہے تھے، جس میں مردوں کے علاوہ برقعہ پوش خواتین کی ایک بڑی تعداد شریک تھی، اس مظاہرے میں تمام رہنماؤں نے یک زبان ہوکر کہا کہ مسلمان دنیا کے جس گوشے میں مقیم ہو اور جس خطہ کا رہنے والا ہو سب کچھ برداشت کرسکتا ہے مگر سرور کونین ﷺ کی شان میں انگشت نمائی قطعی برداشت نہیں کر سکتا، جبکہ تمام مسلمانوں سے یوروپ کی سماجی واقتصادی بائیکاٹ کی شدت سے اپیل کی گئی۔

لیکن ڈاکٹر اختر مہدی کے بقول "ملت اسلامیہ کو ان کے مذہبی شعائر سے دور رکھنے کے لئے عالمی سطح پر جو بھی سازشیں اور ہتھکنڈے استعمال کئے جارہے ہیں، وہ مسلمانوں کی سیاسی بیداری اور دینی لگن و دلچسپی کے ذریعہ نقش برآب ہوکر رہ جائیں گے، دنیا کے ہر گوشے میں اس اہانت آمیز تحریک کے خلاف جو احتجاجات اور مظاہرے کئے جارہے ہیں ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ امت اسلامیہ پوری طرح بیدار ہے، اور وہ اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کی شخصیت کو کسی بھی اعتبار سے بھی ہرگز مجروح نہ ہونے دے گی"۔

(بقیہ صفحہ.....۳۲.....)

استفادہ کی چیز ہے، اور خاص و عام کے لئے بڑی مفید ہے۔

اخیر میں پروفیسر صاحب نے اپنے صدارتی کلمات میں کہا کہ ایک بڑے انگریز مؤرخ کا قول ہے کہ ہیرو وہ ہے جس کو اس کے بے تکلف دوست اور گھر کے افراد ہیرو مانیں، مولانا محمد رابع حسنی ندوی کی کتاب بڑی حقیقت پسندانہ ہے اس لئے کہ وہ حضرت مولانا کی زندگی کے محرم راز ہیں، اور انہوں نے اپنے گہربار قلم سے مولانا مرحوم کے افکار ونظریات کی پوری تصویر پیش کردی ہے، واقعہ یہ ہے کہ انہوں نے حق ادا کردیا ہے، اسی طرح سفرنامۂ حیات، تذکرہ اہل دل اور "الـغـزل الأردی" انتخاب مضامین، حسن ترتیب اور انشاء وادب کے اعتبار سے بھی قابل قدر کتابیں ہیں۔

جلسہ کے اختتام سے قبل ناظم جلسہ مولانا نذر الحفیظ ندوی نے تاکیدی انداز میں یہ کہا کہ مذکورہ کتابوں کا مطالعہ ضروری ہے، ندوی ثقافت تازہ ترین حالات وواقعات کا مطالعہ اور ان پر گہری اور تجرباتی نظر ڈالنے کا نام ہے، اور ایک پرجوش داعی کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس زمانے کے حالات، جذبات واحساسات اور افکار ونظریات سے پوری واقفیت رکھتا ہو، تاکہ وہ زمانہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرسکے اور اس کا دندان شکن جواب دے سکے۔ حضرت مولانا کی کتاب زندگی کے سطر سطر میں یہ خطوط ہدایات نمایاں ہیں۔ حضرت ناظم صاحب کی دعا پر جلسہ کا اختتام ہوا۔ ☆☆☆

☆ دار العلوم ندوۃ العلماء میں تقریب رسم اجراء کتب

☆ افتتاح مولانا ظہور الاسلام فتحپوری ہال

مورخہ ۱۶ محرم ۱۴۲۷ھ بروز بدھ دار العلوم ندوۃ العلماء کے نوتعمیر شفاخانہ کی عمارت میں زیر صدارت پروفیسر وصی احمد صدیقی معتمد مال، ندوۃ العلماء، ممتاز فضلائے ندوہ کی چند اہم علمی، دینی اور ادبی کتابوں کے رسم اجراء کی ایک باوقار تقریب منعقد ہوئی۔

تلاوت قرآن و نعت پاک کے بعد مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری نے مختصر الفاظ میں کتابوں کا جامع تعارف کراتے ہوئے کہا کہ:

۱۔ پہلی کتاب "مولانا سید ابو الحسن علی ندوی عہد ساز شخصیت: مشاہدات وتجربات کی روشنی میں" ہے، حضرت مولانا علی میاںؒ نے خودنوشت سوانح عمری "کاروان زندگی" میں بڑے تواضع سے کام لیا ہے، اور کسر نفسی کی وجہ سے بہت سارے ذاتی کمالات پردہ خفا میں رہ گئے تھے، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے جو حضرت مولاناؒ کے بھانجے اور گھر کے ایک عزیز ترین فرد ہونے کے ساتھ ساتھ بیشتر سفر وحضر، خلوت وجلوت، اور زندگی کے اہم واقعات اور فیصلوں کے شاہد عینی ہیں، ان تشنہ گوشوں کو بڑی خوبی اور ذمہ داری کے ساتھ قلمبند کیا ہے، یہ کتاب ندوہ کی تاریخ کا بھی ایک اہم حصہ بن گئی ہے۔

۲۔ دوسری کتاب مولانا رابع حسنی ندوی ہی کی "الغزل الاردی رجالاته ومكانته في الشعر" ہے، جس میں مولانا نے غزل کے ادوار، فنی خصوصیات اور عہد بہ عہد اسکی ترقی کا ذکر کیا ہے، اور فارسی کے شعراء میں سعدی، شیرازی، جامی، حافظ جبکہ اردو کے باکمال شعراء میں خواجہ میر درد، میر تقی میر، اکبر الہ آبادی، جگر مرادآبادی، اور علامہ اقبال کے اشعار کا جائزہ پیش کرتے ہوئے نمونے بھی دئے ہیں، یہ کتاب عربوں کے لئے ایک نیا انداز ہے، اس سے ان کو معلوم ہوگا کہ فارسی اور اردو میں صنف غزل نے کیا ترقی کی ہے۔

۳۔ تیسری کتاب مولانا عبد اللہ عباس ندویؒ کا "سفر نامۂ حیات" ہے، اس میں مولانا مرحوم نے اپنی طالب علمی اور زندگی کے نشیب وفراز کا تذکرہ بڑے دلچسپ ادبی انداز میں کیا ہے، اور ندوہ کے اولین ادوار، اساتذہ کی تعلیم وتربیت کا معیار، طلبہ کا مقصد سے شغف وانہماک کا بڑا حقیقت پسندانہ چشم کشا نقشہ کھینچا ہے۔

۴۔ چوتھی کتاب مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی کی "تذکرہ اہل دل" ہے جو پہلی بار "ساعة من العارفين" کے نام سے ۱۹۷۸ء میں دار الاعتصام، اور اب دار المقطم، مصر سے چھپی ہے، اردو داں طبقہ کے لئے مطیع الرحمن عوف ندوی صاحب نے اس کا شگفتہ ترجمہ پیش کیا ہے، کتاب اکثر ہندوستان کے اہل دل کے تذکرہ سے مزین ہے، انداز تحریر بڑا پر سوز وپر کیف ہے۔

۵۔ پانچویں کتاب ڈاکٹر محمد اکرم ندوی کی "الامام السيد ابو الحسن علي الندوي: المربي الكبير والداعية الحكيم" نامی ہے، دار القلم دمشق نے پہلا اڈیشن چند ہفتے قبل دس ہزار کی تعداد میں شائع کیا ہے، جو ختم ہونے کو ہے، اس کتاب کے مطالعہ سے اندازہ ہوگا کہ فرزندان ندوہ نے زمانہ کی دکھتی رگ پر انگلی رکھتے ہوئے کس طرح عالم اسلام کی قیادت کا نازک فریضہ انجام دیا ہے، اس کے بعد مذکورہ کتابوں کا رسم اجراء صدر تقریب پروفیسر وصی احمد صدیقی کے ہاتھوں انجام پایا۔

اس عمارت کے جدید ہال کے منسوب الیہ مولانا ظہور الاسلام فتحپوری کے خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے مولانا نذر الحفیظ ندوی نے کہا کہ وہ ندوہ کے گمنام مخلص فرزند تھے، پیدائش ۱۸۵۸ء اور وفات ۱۹۲۱ء میں ہوئی، مولانا لطف اللہ علی گڑھیؒ کے شاگرد اور مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادیؒ کے خلیفہ تھے، تاحین حیات ندوہ کی تعمیر وترقی میں آگے رہے، اس کے لئے انہوں نے حجاز کا بھی سفر کیا، علاوہ ازیں اپنے علاقہ کے مسلم وغیر مسلم حضرات پر ان کا بڑا اخلاقی اثر تھا، اس لئے قدردانی کا تقاضا تھا کہ اپنے محسنوں کو فراموش نہ کیا جائے، اور طلبہ کو بتایا جائے کہ ہمارے بزرگوں نے کس طرح گلشن ندوہ کی اپنے خون وجگر سے آبیاری کی ہے۔

اس کے بعد حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء نے ہال کا افتتاح وانتساب کرتے ہوئے اپنے کلیدی خطاب میں فرمایا کہ ندوہ نے قدردانی اور احسان شناسی کا ہمیشہ لحاظ رکھا ہے، اسی کے مدنظر یہ ہال مولانا ظہور الاسلام فتحپوری کے نام سے منسوب کیا جارہا ہے، جو ندوہ کے بڑے حامی اور سرگرم کارکن تھے، اور اجراء کردہ کتابوں کے تعلق سے مولانا نے فرمایا کہ یہ نمونہ ہیں کہ کس طرح مطالعہ ومعلومات کے ذریعہ علمی وتصنیفی ذوق کو پروان چڑھایا جائے، تاکہ یہ طلبہ مستقبل میں ملت اسلامیہ کی ذہنی، فکری، علمی اور اخلاقی قیادت کا فریضہ انجام دے سکیں۔

مہتمم دار العلوم ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی (دامت برکاتہم) نے اپنے خطاب میں کہا کہ بڑی مسرت کی بات ہے کہ ہال کا افتتاح فضلائے ندوہ کی ممتاز قیمتی کتابوں سے ہو رہا ہے، حضرت ناظم صاحب (مدظلہ) کی کتاب علمی قدر وقیمت کے علاوہ ایک مرجع کی حیثیت رکھتی ہے، اسی طرح "سفرنامۂ حیات" اور "تذکرۂ اہل دل" بھی خاصے

(بقیہ صفحہ ......۳۱......)

پروپرائٹر: ولی اللہ
Mobile: 9415090544 Shop: 2627446 Res: 2254796
ولی اللہ جویلرس
WALIULLAH JEWELLERS
All Kinds of Gold, Silver & Diamond Jewellery
Jutey wali Gali,
Aminabad, Lucknow

طلباء اور تاجران کتب کے لیے خاص رعایت
نسیم
پاکٹ جنتری
دستیاب ہے
طلب کریں
قیمت ۵/۰۰
Estd : 1915 (S) 0522-2627123 (R) 2301836 (M)9415104065
نوٹ: اپنی ضرورت کی کتب بذریعہ ڈاک بھی طلب کر سکتے ہیں۔
صدیق بک ڈپو امین آباد پارک لکھنؤ

Mobile: 9415750289 Shop: 0522-2617956
حرمین ٹریڈرس
محمدیہ پروڈکٹس کے سپر اسٹاکیسٹ
کھوجاتی سرمہ ۔ روغن بلسن ۔ عطریات
النبیل یو اے ای ـ کلونجی تیل اور کلونجی پروڈکٹس کے اسپشلسٹ
حرمین بک ڈپو
پرفیومس النّبیل دوبئی
شہر لکھنؤ U.A.E. کے مختلف عطریات سے معطر
دکان نمبر 1/6 مسجد مرکز، ڈاکٹر بی-این-ورما روڈ، امین آباد، لکھنؤ

Maqbool Mian
Jewellers
مقبول میاں جویلرس
Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow. 2258115
Mob: 9415001207-9335726377

قنوج کے قدیم مشہور معروف کارخانہ سے تیار کردہ خوشبودار عمدہ واعلیٰ
عطریات
شمامۃ العنبر ● عطر گلاب ● روح خس ● عطر موتیا
عطر حنا ● عطر گل ● عطر کیوڑہ
اس کے علاوہ فرحت بخش، دیرپا خوشبو ہول سیل ریٹ پر ملتے ہیں۔
ایک بار آزما کر خدمت کا موقع دیں
محمد یٰسین محمد یامین تاجران عطر
ایکسپورٹر اینڈ امپورٹر قنوج یوپی آئیڈیل پرفیوم سنٹر
(پرائیویٹ لمیٹڈ) قنوج فون: 234445

ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
دلی کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coats, Embroidered
Sherwanis, Pullowers, Jackets,
Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties.
شادی بیاہ، تیوہار اور تقریبات کے لئے شاندار ذخیرہ، تشریف لائیں
men mark ®
58, Halwasia Market, Hazrat Ganj, Lucknow
Phone: (S) 2616946 (R) 2627443